PRINCIPLES
OF
CIVICS

SAKSENA, LAL
&
AGRAWAL

PRINCIPLES of CIVICS

(For the use of High School Classes)

According to the new Syllabus prescribed by the U. P. Board.

BY

R. P. SAKSENA M. A., L. T.
Vice Principal D. S. College, Aligarh.

B. N. LAL M. A. (Pol. Sc.), M. A. (Hist), B. T.
Lecturer Civics in D. S. College, Aligarh.

AND

M. B. LAL AGARWAL B. A., L. T.
Principal H. B. Inter. College, Aligarh.

ALIGARH:
MASTER NIHAL CHAND & SONS.
EDUCATIONAL PUBLISHERS

Price Re. 1/-/-

PREFACE

This little volume of Civics has been brought out to enable High School students to grasp the main principles of the subject up-to a standard that has been recently revised by the U.P.Board. The present attempt aims to cover the ground work of the first paper on the principles of civics a little more thoroughly than is generally found in the existing text books.

The aim of the study of civics is to equip the minds of students with the principles guiding the activities of the citizen in a modern society. The study of this subject develops in the student the consciousness of his duties towards society and the state and it follows that a student who has learnt well the principles of citizenship must himself grow into a perfect citizen one day.

The subject is throughout illustrated with concrete examples both from the environments familiar to the Indian students and from foreign countries, where citizenship appears in an advanced form. The subject matter has been presented in our own languages Hindi and Urdu, in a clear, simple and interesting way

One special feature of this book is that there is a summary at the end of every chapter to enable the student to grasp and recapitulate the main facts dealt with in that chapter. A second feature of usefulness is a list of questions at the end of every Chapter, some suitable for written answers and some to test general intelligence orally.

Any suggestions for improvement of the subject matter and its presentation would be gratefully received.

Dharam Samaj College
ALIGARH.
27th September. 1945

AUTHORS.

GENERAL CIVICS

Syllabus

1. Meaning of Civics—Its scope and importance.
2. Society—Family, Religion, Economic and Cultural Associations.

   The State.
3. Citizenship—Rights and duties.
   - (i) Self-Culture—Importance of personal habits and hygiene.
   - (ii) Village Life—Village sanitation, Health and Education. Village Panchayats and Group life
   - (iii) Municipal Life—Importance of Local institution and their functions.
   - (iv) National Life—Patriotism—Hinderances to good citizenship in India.
   - (v) Idea of World Citizenship.
4. Civic ideas—Liberty, Equality, Nationality.
5. The State and its functions.
6. The Government and Law.

   Purpose of constitution, its forms.
7. Structure of Government—Its organs, Legislature, Executive and Judiciary, their functions.
8. The Civic life—Freedom of thought and expression Freedom of Association; The Franchise.

پہلا باب

علم تمدّن کا مطلب اور اُس کی اہمیّت

علم علم حاصل کرنا انسان کا پیدائشی حق ہے۔ بچہ پیدا ہوتے ہی اپنے حواس خمسہ (کان، ناک، آنکھ، زبان، ہاتھ) کے ذریعہ علم حاصل کرنے لگتا ہے۔ انسان ہی نہیں بلکہ حیوانات بھی پیدا ہوتے ہی اپنے ارد گرد کی چیزوں کے متعلق معلومات حاصل کرنے لگتے ہیں۔ ابتدائی منازل طے کرنے کے ساتھ ساتھ بچہ کی معلومات اور واقفیت میں روز بروز اضافہ ہوتا جاتا ہے اور آخر کار ایک زمانہ ایسا آتا ہے جبکہ وہ کسی چیز کے متعلق مکمل معلومات حاصل کرکے اُس کا عالم کہلانے لگتا ہے۔ کسی شئے کے متعلق باقاعدہ اور مکمل معلومات اور واقفیت علم کہلاتی ہے۔ ادویات سے معمولی واقفیت رکھنے والا شخص طبیب حاذق یا ڈاکٹر ہرگز نہیں کہلایا جاسکتا ہے۔ اسی طرح تھوڑا بہت قانون جاننے والا شخص وکیل یا بیرسٹر

کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ ڈاکٹر یا بیرسٹر کہلانے کے لئے علم طب یا قانون کی باضابطہ و باقاعدہ تعلیم اور اس کے متعلق پوری واقفیت کی ضرورت ہے

علم ایک درخت کے مانند ہے جس کا تنا تو ایک ہے مگر شاخیں لاتعداد ہیں۔ سائنس، ریاضی، نجوم، اقتصادیات، سیاست، اخلاقیات اور علم تمدن وغیرہ ایک ہی علم کی متعدد شاخیں ہیں۔ ان تمام علوم میں علم تمدن کو مخصوص اہمیت حاصل ہے اس لئے کہ بغیر اس کے انسانی زندگی پر کیف، خوشگوار اور کامیاب نہیں بنائی جا سکتی ہے۔

علم تمدن کا آغاز

علم تمدن کوئی نیا علم نہیں ہے۔ قدیم ویدک اور اسلامی کتابوں میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔ یونان اور روم کے باشندے علم تمدن کے مطالعہ میں غایت درجہ دلچسپی رکھتے تھے۔ زبان انگریزی کے لفظ civics کا مخرج رومن لفظ civitas ہے جس کا مطلب city یعنی شہر ہے۔ اسی طرح یونانی زبان کا لفظ (Polis) بھی شہر city کے معنی میں استعمال کیا جاتا تھا۔ یونان میں ہر ایک شہر میں ایک چھوٹی سی شہری مملکت city state ہوا کرتی تھی۔
مذکورہ بالا مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ جدید علم تمدن کا آغاز ملک روم اور یونان سے ہوا۔ ہندوستان میں جدید علم تمدن ابھی ابتدائی منازل طے کر رہا ہے۔

علم تمدن کی تعریف

ماہرین نے علم تمدن کی تعریف مختلف طریقوں سے کی ہے۔ ایک عالم کا خیال ہے کہ مدنیت یا شہریت کا مطالعہ علم تمدن کہلاتا ہے۔ انسان چونکہ سوسائٹی کا ایک فرد ہے اور سوسائٹی میں رہنے کی صورت میں اسے اپنے حقوق و فرائض کا علم ہونا نہایت ضروری ہے اس لئے علم تمدن وہ علم ہے جو مدنیت و شہریت کے اصول اور انسان کے (فرا

سوسائٹی ہونے کی حیثیت سے) حقوق و فرائض سے بحث کرتا ہے۔
civics is a science of citizenship that deals with the rights and duties of man in society.

لیکن یہ تعریف علم تمدن کی مکمل اور جامع و مانع تعریف نہیں ہے۔ کیونکہ انسان کے جو حقوق و فرائض ہماری مذہبی اور اخلاقی کتب میں بیان کئے گئے ہیں اُن کا یہ تعریف احاطہ نہیں کرتی۔ اس کے علاوہ صرف انسانی حقوق و فرائض سے بحث کرنے والا علم ہی علم تمدن نہیں کہلایا جا سکتا۔

ایک دوسرے ماہر تمدن کا خیال ہے کہ انسان انسانی سوسائٹی میں رہ کر نہ صرف اپنے حقوق و فرائض کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے بلکہ وہ ایک مکمل اور معیاری زندگی بھی بسر کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے علم تمدن وہ علم ہے جو ایک مکمل اور خوشگوار سوشل زندگی بسر کرنے میں رہنمائی کرے۔ (civics is the science that seeks to discover the conditions of the best possible social life)

یہ تعریف بھی مکمل تعریف نہیں کہی جا سکتی ہے۔ کیونکہ انسانی زندگی کے تمام مسائل صرف حقوق و فرائض سمجھنے اور خوشگوار سوشل زندگی بسر کرنے سے ہی حل نہیں ہو جاتے۔

حقیقت میں علم تمدن ایک وسیع علم ہے اور اس کی جامع و مانع تعریف کرنا دریا کو کوزہ میں بند کرنے کے مترادف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ماہرین تمدن نے علم تمدن کی مختلف اور گوناگوں تعریفات وضع کی ہیں۔ لیکن کوئی بھی اہمیت کے معیار پر پوری نہ اتری۔ اگر جملہ تعریفات یکجا کر دی جائیں تو اس صورت میں جو مرکب تعریف

تیار ہوگی وہ شاید علم تمدن کی جامع تعریف Definition ہو سکے لیکن
ایسی تعریف فی الحال موجود نہ ہونے کی صورت میں ایک ایسی تعریف کا ہونا
ضروری ہے جو تمدن کے اصلی مفہوم کو بڑی حد تک ادا کر سکے۔ چنانچہ ایک عالم
نے علم تمدن کی تعریف ان الفاظ میں بیان کی ہے۔

(Civics is the study of men in relation to social organization)

چونکہ سوسائٹی انسان کی ایک اجتماعی شکل ہے اس لئے انسان اور اس سے
متعلق جملہ سوشل جماعتوں کا مطالعہ ہی علم تمدن ہے۔

علم تمدن کی تشریح

انتہائی کوشش کے باوجود علم تمدن کی مکمل اور
جامع تعریف نہ کی جا سکی۔ لہذا ضروری ہے کہ
سطور ذیل میں علم تمدن کی تشریح کر دی جائے تاکہ اس کی حقیقت اور اس کا
اصلی مفہوم طلباء کے بخوبی ذہن نشین ہو جائے۔

انسان سوسائٹی کا ایک جزو ہے اور سوسائٹی ہی میں رہ کر وہ مکمل انسانیت
حاصل کر سکتا ہے یہیں اس کی پوشیدہ قابلیتوں اور خوابیدہ صلاحیتوں کا
اظہار ہوتا ہے۔ سوسائٹی سے علیحدہ ہو کر انسان اپنی خداداد قابلیتوں اور
انسانی صفات سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ سوسائٹی میں رہنا انسان کے ضروری
ہی نہیں بلکہ فطری ہے۔ نہ صرف انسان بلکہ جملہ جاندار اپنے ہم جنسوں کے ساتھ
رہنا پسند کرتے ہیں۔

انسان سوسائٹی یا سماج میں رہ کر ایک دوسرے سے مانوس ہو جاتا ہے
اس باہمی انس اور میل جول سے ایک دوسرے کی جملہ ضروریات پوری ہوتی ہیں
سوسائٹی کا فرد ہونے کی حیثیت سے یہ جاننا ہر انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنے ہم جنس

کے ساتھ کیسا طرزِ عمل اختیار کرے نیز یہ کہ سوسائٹی میں اس کا کیا درجہ اور کیا اہمیت ہے۔ یہ تمام باتیں علم تمدن کے ذریعہ معلوم ہوتی ہیں۔

اگر کوئی شخص صدہا علوم کا زبردست عالم ہو لیکن اصول تمدن سے ناواقف ہو تو اُس کی زندگی ایک ایسے اندھے آدمی کے مانند ہوگی جو صدہا لیمپ کے باوجود راستہ نہیں چل سکتا۔ اس لئے علم تمدن ہی ایک ایسا علم ہے جس کی رہنمائی اور ہدایت سے ہم خوشگوار، پُرمسرت اور کامیاب زندگی بسر کر سکتے ہیں۔

بچہ پیدا ہوتے ہی ایک چھوٹی سی سوسائٹی کا فرد بن جاتا ہے۔ جو اس کے ماں باپ، بھائی بہن اور نوکر چاکروں پر مشتمل ہوتی ہے۔ اب کنبہ ہی اُس کی چھوٹی سی دنیا ہے۔ یہیں وہ علم تمدن کے ابتدائی سبق پڑھنا شروع کرتا ہے۔ اُس کے بڑے ہونے کے ساتھ ساتھ اُس کی سوسائٹی کا دائرہ بھی وسیع ہوتا جاتا ہے۔ بڑا ہو کر وہ مختلف قسم کے لوگوں سے ملتا جلتا اور اُن سے تعلقات پیدا کرتا ہے مختلف اشخاص سے راہ و رسم پیدا ہونے اور تعلقات بڑھنے کے ساتھ ساتھ اُس کے حقوق و فرائض کا دائرہ بھی وسیع ہوتا جاتا ہے۔ اُس کے چاروں طرف حقوق و فرائض کا ایک جال سا بچھ جاتا ہے۔ اب وہ ایک ایسی بھول بھلیاں میں ہوتا ہے جس سے نکلنے کے لئے اُسے علم تمدن کی رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ علم تمدن ہی ہمیں بتاتا ہے کہ ہمیں ماں، باپ، بھائی بہن، عزیز رشتہ دار، کنبہ خاندان والوں اور سوسائٹی کے دیگر افراد کے ساتھ ہمارے کیا فرائض اور حقوق ہیں اور کس طرح ہم ان سے عمدگی کے ساتھ عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔

دنیا میں کامیاب زندگی بسر کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اصول تمدن سے بخوبی واقف ہوں اور اُن پر پوری طرح عمل کریں۔ ایک معمولی آدمی جو آداب مجلس سے واقف ہے جو خلیق اور ملنسار ہے اُس عالم سے زیادہ خوشگوار اور کامیاب

زندگی بسر کرسکتا ہے جو دنیوی معاملات، آداب سوسائٹی اور اصول تمدن سے ناواقف ہے۔ جس کا کتابی علم عملی زندگی کے لئے بالکل ناکارہ اور بے معنی ہے۔

شہری اور شہریت

شہری (Citizen) عام بول چال میں شہر کے رہنے والے کو شہری اور گاؤں کے رہنے والے کو دیہاتی کہتے ہیں۔ لیکن سیاسی اصطلاح میں شہری سے مطلب صرف اُن لوگوں ہی سے نہیں ہے جو شہر میں رہتے ہیں بلکہ دیہات میں رہنے والے بھی شہری کہلائے جا سکتے ہیں۔ ہندوستان کی ۹۰ فی صدی آبادی دیہات میں رہتی ہے۔ ان میں سے وہ لوگ جن کو حقوق شہریت حاصل ہیں شہری کہلاتے ہیں۔ ہر وہ شخص جسے حقوق شہریت حاصل ہیں شہری کہلاتا ہے خواہ وہ گاؤں میں رہتا ہے یا شہر میں۔ جھونپڑے میں رہتا ہے یا محل میں۔

شہری کا قدیم مطلب 'شہری' کا مطلب مختلف ممالک اور مختلف زبانوں میں مختلف رہا ہے۔ زمانۂ قدیم میں شہری کا مطلب بہت محدود تھا۔ روم اور یونان میں تمام باشندے شہری نہ تھے بلکہ صرف ۱۰ فی صدی آبادی کو حقوق شہریت حاصل تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو انتظام حکومت میں حصہ لیتے تھے۔ اس کے علاوہ باقی تمام لوگ حقوق شہریت سے محروم تھے۔ غیر ملکی اشخاص جو سیر و تفریح یا تحصیل علم کے لئے وہاں جاتے تھے شہری نہیں بن سکتے تھے۔

شہری کا جدید مطلب۔ آجکل شہری کے معنی محدود نہیں ہیں۔ مرد عورت امیر غریب، شاہ و گدا، شہری دیہاتی، گورے

کالے، غرض ہر فرقہ اور ہر مذہب کے ماننے والے وہ تمام اشخاص جنہیں حقوق شہریت حاصل ہیں شہری کہلانے کے حقدار ہیں۔

ہندوستانی شہری چونکہ ہندوستان میں حق ووٹ صرف چوتھائی آبادی کو حاصل ہے اس لئے ہندوستان کے تمام باشندے شہری نہیں کہلائے جا سکتے ہندوستان میں رائے دہندگی کا دائرہ بہت تنگ ہے۔ حق ووٹ کے لئے یہاں دو شرائط ہیں :۔

(۱) مقررہ مالی حیثیت (۲) مقررہ تعلیمی معیار۔

ہندوستان میں تعلیم یافتہ اور دولتمند لوگ بہت تھوڑے سے ہیں۔ یہاں کی اکثریت ناخواندہ اور غریب ہے۔ اسی وجہ سے حقوق شہریت بہت تھوڑے لوگوں کو حاصل ہیں۔

شہریت (Citizen ship) جب کوئی شخص کسی مملکت کے حقوق شہریت حاصل کر لیتا ہے تو وہ اس ملک کا شہری بن جاتا ہے۔ وہ اپنے حقوق کا جائز استعمال کرکے نہ صرف اپنی زندگی کو پُر مسرت اور خوشگوار بناتا ہے بلکہ دوسرے شہریوں کی زندگی کو کامیاب بنانے میں بھی مدد کرتا ہے۔ زمانۂ قدیم میں شہریت کا مطلب صرف حقوق شہریت ہی سے تھا لیکن موجودہ زمانے میں شہریت کا مطلب فرائض اور حقوق دونوں سے ہے۔ درحقیقت حقوق و فرائض الگ الگ نہیں ہیں بلکہ ایک شئے کی دو مختلف شکلیں ہیں۔ عام طور سے شہریت دو طرح سے حاصل کی جاتی ہے:۔

(۱) حق پیدائش کے ذریعہ۔ یعنی جو بچہ جس ملک کے شہری والدین سے پیدا ہوا ہے وہ اسی ملک کا شہری کہلائے گا۔

(۲) حق سکونت سے۔ یعنی بچہ اس ملک کا شہری ہوگا جس ملک میں وہ پیدا

ہوا ہے۔

شہریت حاصل کرنا کوئی شخص کسی ملک کی شہریت اپنی حسب منشا یعنی جس وقت چاہے اُس وقت حاصل نہیں کرسکتا بلکہ اُس کے حصول کے لئے مندرجہ ذیل ذرائع ہیں:-

(۱) ماں باپ سے۔ ماں باپ جس ملک کے شہری ہوں ان کے بچے بھی اُسی ملک کے شہری ہوتے ہیں خواہ وہ کسی دوسرے ملک میں پیدا ہوئے ہوں۔

(۲) سکونت سے۔ کوئی شخص کسی ملک میں مستقل ۶ سال سکونت رکھنے کے بعد اُس ملک کے حقوق شہریت حاصل کرسکتا ہے۔

(۳) شادی سے۔ عورت اسی ملک کی شہری ہوگی جس ملک کا شہری اُس کا خاوند ہے۔

(۴) ماں باپ جس ملک کی شہریت حاصل کریں گے اُن کے بچے بھی اُسی ملک کے شہری بنیں گے۔

(۵) غلمی بچے جو نا جائز تعلقات کی بنا پر شادی سے پہلے پیدا ہو جاتے ہیں وہ اپنے باپ کی شہریت حاصل کرتے ہیں۔

(۶) جائیداد سے۔ اگر کوئی شخص کسی دوسرے ملک میں جائیداد خرید لے تو وہ وہاں کا شہری ہوسکتا ہے۔

(۷) عہدہ سے۔ اگر کوئی شخص کسی غیر ملک کی فوج یا سرکار میں کوئی اعلیٰ عہدہ حاصل کرے تو وہاں کا شہری ہو سکتا ہے۔

(۸) اگر کوئی بچہ جہاز میں پیدا ہو تو وہ اُسی ملک کا شہری ہوگا جس ملک کا کہ وہ جہاز ہے۔

(۹) کسی مفتوحہ علاقہ کے باشندے اُسی ملک کے باشندے کہلائیں گے جس نے اُسے فتح کیا ہے۔

شہریت سے محروم ہونا کوئی شخص ایک وقت میں دو ملکوں کا شہری نہیں ہو سکتا۔ کسی غیر ملک کی شہریت حاصل ہوتے ہی پہلی شہریت ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ مندرجہ ذیل صورتوں میں کوئی شخص حقوق شہریت سے محروم کیا جا سکتا ہے۔ یعنی اس کی شہریت ضبط کی جا سکتی ہے۔

(۱) عرصہ دراز تک اپنے ملک سے باہر رہنے کے سبب۔
(۲) سرکاری نوکری سے برخاست ہو جانے پر۔
(۳) ملک یا حکومت سے غداری کرنے پر۔
(۴) چوری یا کسی جرم شدید میں سزایاب ہونے پر (سیاسی جرم اس سے مستثنیٰ ہے)
(۵) پاگل یا فاترالعقل ہونے پر۔
(۶) ۲۱ سال سے کم عمر ہونے کی صورت میں۔

علم تمدن کی وسعت علم تمدن دنیا کے تمام علوم سے زیادہ اہم اور ہمہ گیر ہے۔ اس کا دائرہ لامحدود اور اس کی وسعت حد تخیل سے باہر ہے۔ یہ علم زمانہ اور مقام کی قیود سے بے نیاز ہے۔ انسانی حقوق و فرائض کے لامحدود ہونے کی صورت میں علم تمدن کے دائرہ عمل کا غیر محدود ہونا قدرتی ہے۔ انسانی سوسائٹی کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ انسانی زندگی کا دائرہ عمل بھی وسیع ہوتا گیا اور دائرہ عمل کی وسعت کے ساتھ ساتھ علم تمدن کی حدود بڑھتی چلی گئیں۔ چنانچہ آج علم تمدن کے اصول انسانی سوسائٹی کے ہر شعبہ میں کارفرما نظر آتے ہیں کیونکہ علم تمدن کی رہنمائی کے بغیر زندگی کا کوئی کام انجام نہیں دیا جا سکتا۔

سماج کے ارتقاء کا پورا علم حاصل کرنے کے لئے موجودہ زمانہ کے حالات و

واقعات کا مطالعہ ہی کافی نہ ہوگا بلکہ ہمیں ماضی پر بھی ایک نظر ڈالنی پڑے گی۔ ہمیں یہ معلوم کرنا پڑے گا کہ ہماری شہری اور سوشل زندگی کو ترقی کی کن کن منازل سے گذرنا پڑا اور یہ کہ آیندہ ہماری زندگی کا معیار کیا ہوگا۔ اس لئے تمدن ماضی، حال، مستقبل تینوں زمانوں سے تعلق رکھتا ہے۔

تمدن کسی ایک ملک کی ملکیت نہیں ہے۔ انسان جہاں بھی رہے گا وہیں اُس کے حقوق و فرائض پیدا ہو جائیں گے اور ہر جگہ اور ہر مقام پر شہری زندگی کی ترقی کے وسائل مہیا ہو جائیں گے۔ الیگزینڈر سیلکرک اور رابن کروسو نے ایک غیر آباد جزیرے میں اپنی زندگی بسر کی لیکن وہاں بھی اُن کی زندگی بے عمل اور بے حس و حرکت نہ تھی۔

انسان ایک سوشل مخلوق ہے۔ اُس کا مختلف جماعتوں سے تعلق رکھنا قدرتی اور ضروری ہے۔ انسان مختلف سیاسی، مذہبی اور اقتصادی جماعتوں کا ممبر بنتا ہے۔ کسی شخص کا میلانِ طبع مذہب کی طرف ہوتا ہے کسی کا رجحان سیاست کی طرف اور کوئی فنونِ لطیفہ میں رغبت رکھتا ہے۔ غرض ہر شخص اپنے رجحان اور میلانِ طبع کے مطابق جماعتوں میں شریک ہوتا ہے۔ انسان کے حقوق اور فرائض زندگی کے ہر شعبہ میں پائے جاتے ہیں۔ کوئی جماعت کوئی تنظیم حقوق و فرائض کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی۔ چونکہ علم تمدن انسان کے حقوق و فرائض سے بحث کرتا ہے اس لئے تمدن کے اصول زندگی کے ہر شعبہ میں کام دیتے ہیں اور ہمارا کوئی کام اس کی حدود سے باہر نہیں ہو سکتا۔

علم تمدن کی اہمیت

پیشتر بیان کیا جا چکا ہے کہ انسانی زندگی حقوق و فرائض کے تار و پود سے بنی ہے۔ اگر انسانی زندگی سے حقوق و فرائض الگ کر دیئے جائیں تو اُس کا شیرازہ منتشر ہو جائے

اور حیوانی اور انسانی زندگی میں کوئی فرق نہ رہے۔ حقوق و فرائض انسانی زندگی
کے لئے روح رواں کا حکم رکھتے ہیں۔ بغیر ان کے انسان کی زندگی قالب
بے روح رہ جائے گی۔ حقوق و فرائض کا علم ہمیں علم تمدن کے ذریعہ حاصل ہوتا
ہے۔ علم تمدن ہی ہمیں فرائض کے انجام دینے اور حقوق کا مناسب استعمال
کرنے کے قابل بناتا ہے۔ اس لئے علم تمدن کا مرتبہ دنیا کے تمام علوم و فنون سے
برتر و بالا ہے۔ جس طرح کوئی شخص بغیر قانون پڑھے وکیل یا بیرسٹر نہیں ہو سکتا
یا بغیر ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کئے ڈاکٹر نہیں بن سکتا اسی طرح علم تمدن کا بغور
مطالعہ کئے بغیر کوئی شخص کامیاب زندگی بسر نہیں کر سکتا۔

علم تمدن کے فوائد لاتعداد ہیں۔ جیسا کہ پیشتر بیان کیا جا چکا ہے۔ انسانی
زندگی کا ماحصل مکمل انسانیت حاصل کرنا اور نہ صرف اپنی بلکہ اپنے ہم جنسوں
کی زندگی کو بھی پر مسرت اور مفید بنانا ہے۔ ویسے تو کتے بلی اور دیگر حیوانات
بھی اپنا پیٹ بھرتے اور زندگی کے دن کاٹتے ہیں لیکن انسانی زندگی کی اہمیت
کچھ اور ہے۔ انسانی زندگی ایک خداداد عطیہ ہے۔ ہم سب کو اس کی مناسب
قدر کرنی چاہئے۔ جانوروں کی طرح زندگی بسر کرنا یا انسانی زندگی کے بیش قیمت
لمحات فضول رائیگاں کرنا انسان کو زیب نہیں دیتا۔ جو لوگ ایک ناکارہ
زندگی بسر کرتے ہیں یا کرنا چاہتے ہیں وہ سماج اور سوسائٹی کی نگاہ میں ایک
گناہِ عظیم کے مرتکب ہوتے ہیں جس کو کبھی معاف نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی ناکارہ
زندگی کا سماج پر زبردست اثر پڑتا ہے۔ مشین کا ایک پرزہ خراب یا ناکارہ
ہو جانے کی صورت میں تمام مشین کے عمل میں فرق آجاتا ہے۔ ہماری زندگی
نہ صرف ہمارے لئے ہی قیمتی ہے بلکہ سماج کے لئے ایک خاص اہمیت رکھتی ہے
اس لئے اپنی زندگی کی اصلاح کرنا اور اُسے زیادہ سے زیادہ مفید اور

کارآمد بنانا ہمارا فرض اولین ہے۔ لیکن یہ اصلاح بغیر علم تمدن کی ہدایت کے نہیں ہو سکتی ہے۔

جب ہمیں علم تمدن کی ضرورت کا اندازہ ہو جاتا ہے تو ہماری نظر میں اس کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ علم تمدن نہ صرف انسان کو اس کے حقوق و فرائض سے واقف کرتا ہے بلکہ انسان اور سوسائٹی کا تعلق بیان کرتا ہے وہ انسان کو ایک اچھا شہری اور سوسائٹی کا ایک کارآمد فرد بناتا ہے۔ علم تمدن کی بدولت ہم اپنی زندگی کامیاب بنا سکتے اور اپنے فرائض اور دوسروں کے حقوق و مفاد کا خیال رکھتے ہوئے مکمل انسانیت حاصل کر سکتے ہیں۔

اس جمہوریت کے زمانہ میں علم تمدن کی اہمیت دوچند ہو گئی ہے سیاسی اقتصادی اور انتظامی مصروفیتیں ہماری زندگی کا جزو لاینفک بن گئی ہیں۔ سوسائٹی میں رہتے ہوئے ہم ان سے چھٹکارا نہیں پا سکتے۔ ملک کے انتظام میں اب ہمارا کافی ہاتھ ہے۔ حکومت کا اچھا اور برا ہونا اب ہم پر ہی منحصر ہے اگر ہم قابل اور تعلیم یافتہ اور فرض شناس ہیں، اگر ہمارا دل شہریت اور انس و مساوات کے اعلیٰ جذبات سے معمور ہے اگر ہم دوسرے کے مفاد کو اپنا اور دوسرے کی تکلیف و راحت کو اپنی تکلیف و راحت سمجھتے ہیں اگر دوسروں کے آرام و آسائش اور ترقی و بہبودی کے لئے ہم اپنا عیش و آرام اور اپنے ذاتی اغراض و مقاصد قربان کر سکتے ہیں تو ہماری گورنمنٹ یقیناً قابل رشک ہو گی۔ لیکن اس کے برعکس اگر ہم جاہل، خود غرض، ناخواندہ ضدی، مطلب پرست، زرپرست اور خود رائے ہیں، اگر ہم توہم پرستی کے غلام، اخلاقی برائیوں کے شکار ہیں، اگر ہم اپنے جائز و ناجائز مفاد کے لئے دوسرو کو انتہائی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اگر ہم ذرا سے فائدے یا افسران کی

خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ملک و قوم سے غداری کر سکتے ہیں تو ہماری حکومت یقیناً بدترین اور قابل نفرین ہوگی۔

ہم ہندوستانی کب تک غلامی کی زنجیروں میں جکڑے رہیں گے۔ جہالت کی تاریکی کب تک ہم پر مسلط رہے گی۔ ہمارے دل و دماغ ہماری قوتِ ارادی اور ہماری روح کب تک پابہ زنجیر رہے گی۔ اب غلامی کی لعنت کو زیادہ عرصہ تک برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ ہم آزادی کے لئے بے چین ہو چکے ہیں انتظار کی حد ہو چکی، اب مزید انتظار نہیں کیا جا سکتا۔ ہمیں سوراجیہ یا بالکل آزادی حاصل کرنا ہے اور کریں گے اگر آج نہیں تو کل۔ اب آزادی ہم سے دور نہیں ہے، وہ بالکل قریب ہے۔ اس کے حصول کے لئے سچی خواہش اور حقیقی جذبہ کی ضرورت ہے۔ ہندوستان کی قربانیاں بیکار نہیں جائیں گی یہ لہلہاتا باغ سپرد خزاں نہیں کیا جا سکتا۔ اے جاں نثارانِ وطن! اٹھو اے سرفروشانِ وطن اٹھو! آزادی کا سورج عنقریب نکلنے والا ہے۔ اس کے استقبال کے لئے تیار ہو جاؤ۔

آزادی حاصل کرنے سے پہلے ہمیں مکمل شہری اور مکمل انسان بننا ہے ورنہ آزادی کا مناسب اور جائز استعمال نہ کیا جا سکے گا۔ مکمل شہری بننے کے لئے علم تمدن کا مطالعہ کرو۔ خود غرضی اور جہالت کا لباس اتار کر ہمدردی اور فراخدلی کا لباس پہنو۔ ملک کی ترقی کوری باتوں سے نہیں ہوا کرتی۔ اس کے لئے عمل اور قربانی کی ضرورت ہے اس کے لئے حبِ وطن اور خدمت قوم کا سچا جذبہ درکار ہے۔ یہ صفات۔ یہ لگن، یہ جذبہ علم تمدن ہی کے ذریعے پیدا ہو سکتا ہے۔ علم تمدن اور شہریت کا تعلق کسی خاص ملک، خاص قوم سے نہیں بلکہ ہر شخص اس کا مطالعہ کر سکتا ہے۔

خلاصہ (Summary)

(۱) علم تمدن سے ہمیں اپنے حقوق و فرائض کا علم ہوتا۔ ہم اپنے ہم جنسوں سے مناسب برتاؤ کرنا سیکھتے ہیں اور اپنی اور اپنے سماج کی ترقی کے لئے کوشش کرتے ہیں۔

(۲) شہری سے مطلب شہر کے رہنے والے سے نہیں ہے۔ ہر وہ شخص جسے حقوق شہریت حاصل ہیں اور جو اپنے فرائض کو بخوبی انجام دیتا ہے شہری کہلائے گا خواہ وہ شہر میں رہتا ہو یا گاؤں میں۔

(۳) حقوق و فرائض کو شہریت کہتے ہیں۔

(۴) کسی ملک میں پیدا ہونا وہاں کی شہریت حاصل کرنے کا پہلا حق ہے۔

(۵) کوئی شخص اگر اپنے ملک کو کافی عرصہ کے لئے ترک کر دے، جرم شدید میں سزایاب ہو یا پاگل ہو جائے تو وہ حقوق شہریت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

(۶) غیر ملکی باشندوں کو حقوق شہریت دینے کے لئے ہر ملک میں الگ الگ قوانین ہوتے ہیں۔

(۷) تواریخ، سیاست، جغرافیہ اور اقتصادیات سے علم تمدن کا گہرا تعلق ہے۔

(۸) علم تمدن بہت وسیع ہے اور ہماری زندگی کے ہر شعبہ سے اس کا تعلق ہے۔

Questions

1. What is civics. What is the importance of its study?
2. What do you understand by a citizen, & Citizenship?
3. Are the following entitled to be called the citizens of a country?
   (1) A student (2) Foreigner (3) A slave
   (4) A hard criminal (5) A woman married to an alien.

دوسرا باب

شہری اور سوسائٹی

The Citizen and the Society.

انسان کی فطرت انسان ایک سوشل مخلوق ہے۔ سوسائٹی میں رہ کر ہی وہ مکمل انسانیت حاصل کرتا ہے۔ یہیں اس کی پوشیدہ قابلیتوں اور خوابیدہ صلاحیتوں کا انکشاف ہوتا ہے۔ سماج اور سوسائٹی سے الگ رہ کر وہ

انسانی صفات سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شہنشاہ اکبر کو اصول معاشرت اور انسانی فطرت کی تحقیق کا خاص طور سے شوق تھا۔ اس نے ایک مرتبہ ۱۲ شیر خوار بچوں کو الگ الگ کمروں میں بند کر دیا اور دودھ پلانے والیوں کو تاکید کر دی کہ وہ انھیں دودھ پلا کر چپ چاپ واپس آ جایا کریں۔ ۵ سال کے بعد جب یہ بچے کمروں سے باہر لائے گئے تو معلوم ہوا کہ وہ بالکل گونگے، اور بہرے تھے۔ بولنے کے بجائے وہ غوں غاں کرتے تھے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ سماج اور انسانی سوسائٹی سے الگ رہنے کی وجہ سے ان کی قدرتی قابلیتیں اور انسانی صفات نشو و نما نہ پا سکیں اور ان کی زندگی بالکل حیوانی ہو گئی۔

سوسائٹی میں رہنا صرف انسان ہی کی فطرت میں داخل نہیں ہے بلکہ قریب قریب تمام جاندار اپنے ہم جنسوں کی صحبت پسند کرتے ہیں۔ جنگلی گایوں کے گروہ کے گروہ اور ہرنوں کے جھنڈ کے جھنڈ جنگلوں میں گھومتے نظر آتے ہیں۔ پرندوں کی ٹولیاں اور طائران خوش الحان کے پرے کے پرے علی الصبح درختوں پر چہچہاتے اور قادر مطلق کی حمد و ثنا میں مصروف نظر آتے ہیں۔ سارس کا جوڑا اپنی لاثانی محبت اور وفاداری کے لئے ضرب المثل ہو گیا ہے۔ مور و ملخ کا لاتعداد لشکر، شہد کی مکھیوں کا منظم گروہ اجتماعی زندگی کی شاندار مثالیں ہیں۔ اگرچہ ہم ان کی زبان نہیں سمجھتے لیکن ان کی حرکات و سکنات اس امر کی شاہد ہیں کہ ان کے اندر وہی ارتباط اور وہی تنظیم موجود ہے جو انسانی سوسائٹی میں نظر آتی ہے۔ مختصر یہ کہ حشرات الارض سے لیکر اشرف المخلوقات تک میں اپنے ہم جنسوں سے مل جل کر رہنے کا جذبہ موجود ہے۔

اکثر وہ سادھو سنیاسی جو پرسکون زندگی بسر کرنے یا عبادت الٰہی کے لئے دنیا کے شور و شر سے کنارہ کش ہو کر پہاڑوں اور گپھاؤں میں گوشہ نشیں ہو جاتے

گیں۔ انہیں بھی وقتاً فوقتاً خیالات کی تجدید اور دیگر سوشل ضروریات کیلئے غاروں اور گپھاؤں سے نکل کر انسانی سوسائٹی میں آنے کی اسی طرح ضرورت محسوس ہوتی ہے جیسے کسی غوطہ خور یا دریائی جانور کو سانس لینے کے لئے پانی سے نکلنے کی۔ الیگزینڈر سلیکر ایک غیر آباد جزیرہ میں تنہائی کی زندگی بسر کرتا تھا۔ جنگل کے جانور، درختوں پر چہچہاتے ہوئے پرندے اور سمندر کی اٹھلاتی ہوئی موجیں اس کے مونس و غم خوار تھے۔ وہ پہاڑوں سے گفتگو کرتا، دریاؤں کو اپنا پیغام سناتا اور باد صبا سے اس طرح مخاطب ہوتا۔ اے ہوا کے جھونکو! مجھے بتلاؤ کیا تم میرے وطن سے آرہے ہو۔ تم یقیناً میرے دوستوں اور عزیزوں کا پیغام لاتے ہوگے۔ مجھے میرے ہم جلیسوں کی صحبت سے محروم کر دیا گیا ہے۔ کاش میرے اندر قوت پرواز ہوتی اور میں اس قید تنہائی سے رہائی حاصل کر کے اپنے دوستوں اور ہم وطنوں کی صحبت کا لطف اٹھا سکتا۔ رام جیسے مکمل انسان سری سیتا جی کے گم ہو جانے پر جنگل کے چرند و پرند سے ان کا پتہ و نشان دریافت کرتے اور کہتے۔ اے شاہدان قدرت کیا تم نے سیتا کو دیکھا ہے، کیا تمہیں معلوم ہے وہ چاند کہاں روپوش ہو گیا۔

مذکورہ بالا مثالیں اس امر کی شاہد ہیں کہ انسان سوسائٹی پسند کرتا ہے اور اس کے لئے سوسائٹی اتنی ہی ضروری ہے جتنا مچھلی کے لئے پانی۔

سوسائٹی یا سماج کا آغاز

سوسائٹی کا آغاز تاریخ کے دھندلے اوراق میں چھپا ہوا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ابتدائے آفرینش میں انسان قدرتی حالت میں تھا۔ Man was in the State of Nature. انسان جانوروں کی طرح آپس میں لڑا کرتے تھے اس وقت کی زندگی بڑی دشوار اور تکلیف دہ تھی۔ کچھ علما کا خیال ہے کہ انسان

کی ابتدائی زندگی بڑی خوشگوار اور پرمسرت تھی۔ صرف کمی اتنی تھی کہ وہ
اجتماعی زندگی کے فوائد سے محروم تھے۔ اگرچہ اس وقت بھی انسان گروہ
کی شکل میں رہتا تھا۔ تاہم اس وقت اس کے گروہوں میں کوئی تنظیم نہ تھی۔ اس
وقت کا انسان جنگل کے پھل پھول اور جڑی بوٹیاں کھا کر زندگی بسر کرتا۔ اجتماعی
زندگی بسر کرنے کا خیال انسان کے اندر سب سے پہلے خوف کی وجہ سے پیدا ہوا
ایسے درندوں اور خونخوار جانوروں سے ہر وقت جان کا خطرہ رہتا اور اس
کی زندگی صحرائی اور انفرادی ہونے کی وجہ سے ہر وقت معرض خطر میں رہتی تھی۔
اسی خوف کی بنا پر انسان نے گروہ بنائے اور ان کی تنظیم کی تاکہ وہ ہر قسم کے
خطروں اور آفتوں کا مل کر مقابلہ کر سکے۔ اس کے بعد نوع نسل اور ذات کے اعتبار
سے انسانی سوسائٹی زیادہ منظم ہوتی گئی۔ انسانی تہذیب کی ترقی کے ساتھ ساتھ ہی سماج
کا شعور پیدا ہوتا گیا۔ جیسے جیسے انسان کے اندر عقل و شعور پیدا ہوا ویسے ویسے اجتماعی
زندگی کی اہمیت محسوس ہوتی گئی۔ آخر کار لاکھوں سال کی تدریجی ترقی کے بعد
آج انسانی تہذیب اور انسانی سوسائٹی موجودہ شکل میں آئی ہے۔ اس وقت
تہذیب معراج کمال پر ہے۔ سائنس کی ترقی نے سماج پر بہت اثر ڈالا ہے۔ اس
کا دائرہ عمل روز بروز وسیع ہوتا جا رہا ہے۔

انسان کا سماج سے تعلق

انسان کا سماج سے گہرا تعلق ہے بلکہ انسان
سماج ہی سے بنا ہے (Man is the product of society)
انسان کی مجموعی زندگی کا نام سماج ہے
جیسی ہماری زندگی ہوگی ویسا ہی سماج بنے گا۔ ایک مرتبہ ایک چھوٹے سے بچے کو
ایک بھیڑیا اٹھا کر لے گیا۔ بچہ ڈرا نہیں بلکہ مسکراتا رہا۔ بھیڑیا اسے اپنی ماند میں لے گیا
اور اپنے بچوں کے ساتھ پرورش کرنے لگا۔ بھیڑن کا دودھ اور کچا گوشت

اُن کی غذا تھی۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ بچہ جنگل میں بھیڑیئے کی طرح چلتا ہوا دیکھا گیا۔ اس کے جسم پر جانوروں کی طرح بال تھے۔ وہ بھیڑیوں کی طرح غراتا اور کچا گوشت کھاتا تھا۔ اس کی تمام حرکات و سکنات اور عادات و اطوار بھیڑیوں کی طرح تھے۔ یعنی اب وہ ایک بھیڑیا تھا یا انسان کی شکل میں بھیڑیوں کی سوسائٹی نے اُسے انسان سے درندہ بنا دیا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سماج انسان کی زندگی پر گہرا اثر ڈالتا ہے۔

انسان اور سوسائٹی میں اتنا گہرا تعلق ہے کہ ایک کو دوسرے سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ جیسا کہ پیشتر بتایا جا چکا ہے سماج یا سوسائٹی انسان کی اجتماعی زندگی کا نام ہے۔ انسان ہی سماج کو بناتا ہے اور سماج انسان کو۔ سماج اور انسان کی ترقی ایک دوسرے پر منحصر ہے۔ انسانی زندگی کی خصوصیات کا اثر سماج پر پڑتا ہے اور سماج کی اچھائیوں اور برائیوں کا اثر انسانی زندگی پر۔ یعنی انسان سماج کا عکس ہوتا ہے۔ Man is the reflection of society.

انسان اور جماعتیں

اپنی مدد آپ کرنا اور دوسرے کا محتاج نہ ہونا ایک خوبی ہے لیکن موجودہ زمانہ میں ہر شخص ایک دوسرے کا محتاج ہے۔ آج کل انسانی ضروریات اس قدر بڑھ گئی ہیں کہ کوئی شخص اپنی تمام ضروریاتِ زندگی خود پوری نہیں کر سکتا۔ اس کی بہت سی ضروریات ایسی ہوتی ہیں جن کے لئے اُسے دوسروں کا محتاج رہنا پڑتا ہے۔ اس لئے ہر شخص ضرورت کے رشتہ سے دوسرے افراد سے وابستہ ہے۔

یہی ضرورت انسان کو مختلف جماعتیں اور سوسائٹیاں بنانے کے لئے مجبور کرتی ہے اور ہر شخص کسی نہ کسی جماعت سے تعلق رکھتا ہے۔ جس کا باہمی تعلق اس کی ضرورت کی نوعیت کے اعتبار سے ہوتا ہے یعنی جس شخص کی جس

قسم کی ضروریات ہیں وہ اسی قسم کی جماعتوں سے اپنا تعلق رکھتا ہے۔ ہر شخص
کی ضرورت اور اس کا میلان مختلف ہوتا ہے۔ کوئی شخص مذہبی رجحان رکھتا ہے
کوئی سیاست میں دلچسپی لیتا ہے۔ کسی کی طبیعت صنعت و حرفت یا فنون لطیفہ
کی طرف مائل ہوتی ہے۔ غرضیکہ ہر شخص کا مذاق اور اس کا میلان مختلف ہوتا ہے۔

جماعت کے اقسام

جماعتیں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ قدرتی جماعتیں (Natural Associations) اور انسان
کی قائم کردہ یعنی مصنوعی جماعتیں (Man Made Associations)۔

قدرتی جماعتوں میں کنبہ، ذات، قوم، گاؤں، شہر، ضلع، صوبہ، ملک اور دنیا
ہیں۔ یہ جماعتیں خود بخود بنی ہیں اور ان کا ممبر بھی بننا قدرتی اور لازمی ہے۔ بچہ
پیدا ہوتے ہی کنبہ کا ممبر بن جاتا ہے۔ نہ اسے داخلہ کا فارم بھرنا پڑتا ہے اور نہ فیس
داخلہ ادا کرنی پڑتی ہے۔ کنبہ کا ممبر بننا اس کے لئے لازمی ہے۔ خود اختیاری یا
اپنی ترقی پہ نہیں ہے۔ اگر وہ کنبہ کا ممبر بننا بھی نہ چاہے تو بھی اسے بننا پڑیگا
یہی اصول تمام قدرتی جماعتوں کے لئے ہے۔

انسان کے قائم کئے ہوئے یعنی مصنوعی جماعتوں کا ممبر بننا انسان کی
مرضی پہ منحصر ہے۔ وہ جس جماعت کا چاہے ممبر بن سکتا ہے لیکن اسکے لئے اسے
فارم بھرنا پڑے گا۔ فیس داخلہ ادا کرنی ہوگی اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی عہد
کرنا پڑیگا کہ وہ جماعت کے تمام اصول و قواعد کی پابندی کرے گا۔ عموماً ہر
شخص مصنوعی جماعتوں یا کسی نہ کسی کا ممبر ضرور ہوتا ہے۔ اگر کوئی ایسا
شخص ہے جو کسی جماعت کا ممبر نہیں بننا چاہتا تو اس کو کوئی مجبور نہیں کر سکتا،
لیکن سماج میں اس کی کوئی پوزیشن نہ ہوگی اور وہ ایک اچھا شہری نہ
کہلائے گا۔

کنبہ

کنبہ کا آغاز کنبہ سماج کا پہلا اور سب سے اہم جز ہے۔ کنبہ کا رواج تمام دنیا میں ہے۔ ابتدائے آفرینش میں انسانی قدرتی حالت میں تھا اُس وقت وہ کنبہ کی زندگی بسر نہ کرتا تھا۔ کیونکہ نہ تو اُس کے اندر اُس وقت اتنا شعور تھا اور نہ اتنی تہذیب۔ کنبہ کی زندگی بسر کرنے کیلئے عقل و شعور کے علاوہ قربانی کے جذبہ کی بھی ضرورت ہے۔ ابتدائی انسان سے یہ امید نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ اپنے مفاد کو دوسروں کے لئے قربان کردیگا۔

جیسا کہ پیشتر بیان کیا جا چکا ہے شروع شروع میں انسان جانوروں کی طرح جنگلوں میں رہا کرتا تھا۔ جنگل کے پھل اور جانوروں کا گوشت اُس کی غذا تھے۔ انسان کے گروہ ادھر اُدھر گھوما کرتے تھے۔ اُن میں ماں باپ، بھائی بہن اور شوہر بیوی کی تمیز نہ تھی، ایسی صورت میں کنبہ کی زندگی بسر کرنا ناممکن تھا رفتہ رفتہ انسان میں کچھ شعور پیدا ہوا، اُس نے جنگلوں کو کاٹ کر صاف کیا۔ جنگلی جانوروں کو پالنا شروع کیا اور درختوں کی شاخوں اور پتیوں سے گھر بنا کر رہنے لگا۔ اب اس نے کھیتی باڑی شروع کردی۔ رفتہ رفتہ انسان میں ماں باپ بھائی بہن اور شوہر بیوی کی تمیز پیدا ہوئی اور کنبہ کی شکل میں انسان کے چھوٹے چھوٹے گروہ الگ الگ رہنے لگے۔ اس طرح کنبہ کی ابتدا ہوئی۔ تعداد بڑھ جانے پر ایک کنبہ کے کئی کنبے اور ایک خاندان کے کئی خاندان بن گئے اس طرح ایک گاؤں بن گیا جب ایک گاؤں کی آبادی زیادہ ہو گئی اور لوگوں کی کھانے پینے اور رہنے سہنے کی ضروریات ایک جگہ پوری نہ ہوسکیں تو کچھ لوگ وہاں سے چل کر دوسرے مقام پر بس گئے۔ اس طرح ایک گاؤں سے دوسرا گاؤں بن گیا

سبق سیکھتا ہے اور یہی سبق آیندہ اُسے ایک اچھا شہری بنانے میں مدد کرتا ہے۔ لیکن اگر بچہ شروع ہی سے اپنے ماں باپ یا بزرگوں کا کہنا نہیں مانتا اور ان کی حکم عدولی کرتا ہے تو اس سے ہرگز یہ امید نہیں کی جاسکتی کہ وہ بڑا ہو کر سماج اور حکومت کے قوانین کی پابندی کرے گا۔ کنبہ ہی میں بچہ برادرانہ محبت خدمت، سچائی، ماں باپ کی اطاعت، ہمدردی اور فراخدلی کی تعلیم حاصل کرتا ہے۔ ان ہی صفات پر اس کے اچھے شہری بننے کا دارو مدار ہے۔ اگر والدین کی یہ خواہش ہے کہ اُن کے بچے اُن سے بھی زیادہ شریف اور قابل ہیں تو ان کا فرض ہے کہ وہ کنبہ کی زندگی کو زیادہ سے زیادہ کامیاب بنائیں۔ اور اپنے بچوں کی ابتدائی تعلیم و تربیت کا خاص خیال رکھیں۔ اُن کی عادات و اطوار کی اصلاح اور چال چلن کی درستی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں جسمانی دماغی اور روحانی ترقی کے جو مواقع اور وسائل کسی بچہ کو اس کے کنبہ میں حاصل ہوتے ہیں وہ دوسری جماعتوں میں نہیں میسر آسکتے۔ یہی وجہ ہے کہ کنبہ کی اہمیت تمام جماعتوں سے زیادہ ہے۔

ہندوستانی کنبہ ہندوستانی کنبہ کی زندگی دوسرے ممالک سے بالکل مختلف ہے۔ دوسرے ممالک میں کنبہ کا مطلب صرف بیوی اور شوہر سے ہوا کرتا ہے اور دوسرے رشتہ دار بطور مہمان سمجھے جاتے ہیں لیکن ہندوستانی کنبہ کا معیار بہت بلند ہے۔ ہندوستانی کنبہ کی بنیاد فراخدلی، ہمدردی اور ذاتی قربانی پر قائم ہوتی ہے۔ یہاں دو دو تین تین پشت کے لوگ ایک ہی کنبہ میں رہتے ہیں۔ جن بزرگوں کو پرداد ا بننے کا شرف حاصل ہوتا ہے ان کو سونے کی سیڑھی پر چڑھانے کی رسم ادا کی جاتی ہے اور ایسے بزرگ بہت ہی خوش قسمت خیال کئے جاتے ہیں۔

ہندوستانی کنبہ شاملات یا مشترک کنبہ ہوتا ہے۔ کنبہ کی تمام جائداد مشترک سمجھی جاتی ہے۔ گھر کا بزرگ کنبہ کا ذمہ دار شخص سمجھا جاتا ہے۔ گھر اور کنبہ کے تمام امور اسی کے ماتحت ہوتے ہیں۔ ہندوستانی کنبہ کا اخلاقی معیار بھی دوسرے ممالک سے بہت بلند ہے۔ ہندوستانی کنبوں میں بچوں کو صرف اپنے ماں باپ ہی کی فرماں برداری کی ہی تعلیم نہیں دی جاتی بلکہ اپنے کنبہ اور خاندان کے تمام بزرگوں کے ادب و احترام کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ ہمارے یہاں کے بچے صبح اٹھ کر اپنے گھر کے بزرگوں کو سلام کرتے اور ان کی دعائیں حاصل کرتے ہیں۔ یہ ہندوستانی تہذیب ہے جس پر ہمیں فخر ہے۔ ایسے ہی کنبوں کی آغوش میں پرورش پا کر بچے بڑوں کی تعلیم، ماں باپ کی اطاعت اور بھائی بہنوں سے محبت کا سبق سیکھتے ہیں یہی بچے آگے چل کر اپنی ہمدردی و محبت، فرض شناسی اور ذاتی قربانی سے ملک و قوم کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ ہندوستان میں ماں کی محبت کا جو معیار ہے وہ کسی دوسرے ملک میں نہیں۔ ہندوستانی بھائی بہن کی محبت کی پاکیزگی اور روحانیت کی مثال دوسرے ملک میں نہیں مل سکتی۔

کنبہ کی اہمیت اقتصادی نقطۂ نظر سے بھی کنبہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ ایک کنبہ میں ہر طرح کے افراد ہوتے ہیں اُن میں سے کچھ زیادہ کمانے والے کچھ کم کمانے والے اور کچھ بالکل نہ کمانے والے۔ اس کے علاوہ کچھ طاقتور ہوتے ہیں کچھ کمزور۔ یہ تمام افراد اجتماعی زندگی اور شاملات کنبہ کی بدولت امن و چین سے زندگی بسر کرتے ہیں کنبہ میں جو لوگ کمانے والے ہوتے ہیں وہ اس کمی کو دوسری طرح پوری کرتے ہیں یعنی وہ گھر کے دیگر کاموں کو انجام دیتے ہیں۔ کنبہ میں سب کو یکساں کھانا، اور

یکساں کپڑا ملتا ہے۔ یعنی سب کی ضروریات یکساں طور پر پوری کی جاتی ہیں
کنبہ کے تمام بچوں کی تعلیم و تربیت یکساں طور پر ہوتی ہے۔ گھر کا بزرگ
اس بات کا خاص خیال رکھتا ہے کہ گھر کے کسی آدمی کو کسی طرح کی تکلیف
یا شکایت نہ ہو۔ وہ خود تکلیف اٹھا کر اپنے گھر کے تمام افراد کے آرام و
آسائش کا خیال رکھتا ہے۔

درحقیقت کنبہ ایک چھوٹی سی حکومت ہے۔ باپ یا گھر کا بزرگ اس کا
حکمراں ہوتا ہے۔ کنبے کے تمام افراد کو چاہیئے کہ وہ اپنے فرائض کو بہ خوبی
انجام دیں اور تمام قواعد و قوانین کی پوری طرح پابندی کریں۔ اگر گھر کا
کوئی فرد کسی قانون یا اصول کی خلاف ورزی کرتا ہے تو کنبہ کا مالک یا
حکمران اسے مناسب سزا دیتا ہے اور وہ فرد اس سزا کو بہ سر و چشم قبول
کرتا ہے اس لیئے کہ اسے یقین ہوتا ہے کہ گھر کے بزرگ نے جو سزا تجویز کی ہے
اس میں کسی دشمنی یا انتقام کا جذبہ کام نہیں کر رہا ہے۔ گھر کا بزرگ اس امر کا کافی
خیال رکھتا ہے کہ گھر کا ہر فرد اس کی حکومت سے مطمئن رہے نیز جملہ افراد کے
مفاد کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔

کنبہ کے ساتھ ہمارے فرائض

ہر ایک شہری کا فرض ہے کہ وہ اپنے کنبہ کو سکھی بنائے۔ بچوں کی
تعلیم و تربیت اور گھر کے افراد کی ضروریات کا پورا خیال رکھے۔ بچوں کو
مناسب تعلیم و تربیت دینا ہمارا سب سے پہلا فرض ہے۔ بچوں کے عادات
اطوار اور چال چلن پر ان کی ماں کا کافی اثر پڑتا ہے اس لیئے ماں کو اپنے بچوں
کے سامنے عمدہ نمونہ پیش کرنا چاہیئے تاکہ چال چلن اور عادات و اطوار کی درستی
کے علاوہ اُن کے خیالات پاکیزہ اور بلند ہوں۔ اُن کے سامنے سخت

ناشائستہ یا فحش الفاظ کا استعمال نہ کیا جائے ورنہ اس کا اثر اُن کے اخلاق
پر بہت برا پڑے گا۔ بچوں کو بری صحبت سے بچایا جائے۔ اُن کی صفائی اور
تندرستی کا خاص خیال رکھا جائے۔ بہت سے والدین تعلیم یافتہ اور دولتمند
ہوتے ہوئے بھی اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت اور صفائی و تندرستی کا خیال نہیں
رکھتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُن کے بچے بگڑ جاتے ہیں اور آگے چل کر نہ صرف
اُن کے لئے تکلیف اور پریشانی کا موجب ہوتے ہیں بلکہ خاندان کی تمام شان
وشوکت اور نیک نامی خاک میں ملا دیتے ہیں۔

جس طرح ماں باپ کی حیثیت سے اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کا خیال
رکھنا ہمارا فرض ہے۔ اسی طرح بچے اور لڑکے کی حیثیت سے اپنے ماں باپ
استاد اور بزرگوں کی تعظیم کرنا اور اُن کا حکم ماننا بھی ہمارا فرض ہے۔ بہت سے
نوجوان بڑے ہو کر آزادانہ زندگی بسر کرنا پسند کرتے ہیں، ماں باپ کی موجودگی
اُن کو شاق گذرتی ہے۔ وہ انھیں اپنی شخصی آزادی کی راہ میں روڑا سمجھتے ہیں
وہ یہ چاہتے ہیں کہ وہ اپنے ماں باپ سے الگ رہ کر خانگی زندگی کا لطف
اٹھائیں یہ نالائق نوجوان بھول جاتے ہیں کہ یہ وہی والدین ہیں جنھوں نے
اُن کی پرورش اور تعلیم و تربیت کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ ان کے
آرام و آسائش کے لئے انھوں نے صدہا مشقتیں اٹھائیں اور مصیبتیں برداشت
کیں۔ اگرچہ والدین اپنے فرض کی ادائگی میں ذرا بھی کوتاہی کرتے تو ان نوجوانوں
کی زندگی اس کے بالکل برعکس ہوتی۔

ماں باپ، بھائی بہن غرض کنبے کے جملہ افراد میں میل جول اور باہمی محبت
و ہمدردی ہونا بہت ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر کنبے کی زندگی خوشگوار
نہیں ہو سکتی۔ جہاں آپس میں لڑائی جھگڑا رہتا ہے وہاں سکھ چین کہاں۔ بہت سے

خاندان آپس کے لڑائی جھگڑے اور تنگ دلی و حسد کی وجہ سے برباد ہو سکتے ہیں۔ قربانی، باہمی محبت اور تعاون کے بغیر کوئی کنبہ کبھی نہیں رہ سکتا۔

کنبہ کا نظام

مغربی تہذیب نے ہندوستانی کنبوں پر کافی اثر ڈالا ہے۔ کچھ لوگوں کے دماغ میں یہ خیال پیدا ہونے لگا ہے کہ شاملات کنبہ یا مشترکہ خاندان کا طریقہ بہت نقصان دہ ہے۔ اُن کا خیال ہے کہ مشترکہ خاندان کا ایک سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ گھر کے بزرگ پر تمام ذمہ داری ہوتی ہے اور گھر کے دوسرے افراد بے فکر رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ جو لوگ کاہل وجود آرام طلب ہوتے ہیں وہ مزا اڑاتے ہیں اور جو افراد محنت کرنے والے اور کمانے والے ہوتے ہیں وہ ہمیشہ پریشان اور متفکر رہتے ہیں۔ بظاہر ان لوگوں کا خیال درست معلوم ہوتا ہے لیکن اگر نظر غور سے دیکھا جائے تو یہ غلطی ہے۔ شاملات کنبہ کا یہ مطلب نہیں کہ گھر کے بزرگ کے علاوہ جملہ افراد اپنے فرائض سے غافل ہو جائیں یا ان کی کوئی ذمہ داری نہ ہو۔

آج کل بہت سے لوگ صرف شوہر اور بیوی کو کنبہ سمجھنے لگے ہیں۔ ان کے خیال میں شوہر اور بیوی اور بچوں کے علاوہ گھر میں کسی کی گنجائش نہیں ہے۔ اس قسم کے نوجوان شادی ہوتے ہی الگ رہنا پسند کرتے ہیں۔ انھیں مطلق احساس نہیں ہوتا کہ اُن کے والدین کے بھی اُن پر کچھ حقوق ہیں اور یہ اُن کے والدین نے اُن کی پرورش اور تعلیم و تربیت پر بھی کچھ خرچ کیا ہے۔ یہ ناعاقبت اندیش نوجوان شخصی آزادی اور دنیا کے عیش و آرام کے مقابلہ میں کنبہ کی زندگی اور والدین کی اطاعت و فرمانبرداری کو بالائے طاق رکھتے ہیں۔ اُن کے دماغ پر (Right family theory) کا گہرا اثر پڑا

ہے۔ ان کا خیال ہے کہ جس طرح ایک پھل پک کر قدرتی طور پر شاخ سے جدا ہو جاتا ہے اسی طرح ایک بچے کو جوان اور شادی شدہ ہو کر اپنے والدین سے الگ ہو جانا چاہیئے۔ اُن کے دماغ میں شاید یہ خیال نہیں آتا کہ جب اُن کی نوجوانی بڑھاپے میں تبدیل ہو گی اور جب ان کے بچے نوجوان ہو کر Rope fruit theory کے ماتحت ان کی ضعیفی کے وقت انھیں چھوڑ کر الگ ہو جائیں گے تو ان کی کیا حالت ہو گی۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کنبہ کی زندگی سکھی بنانے کیلئے باہمی میل جول اور اتحاد و اتفاق کی بہت سخت ضرورت ہے۔

سکھی کنبہ

ایک سکھی کنبہ (Ideal faimly) کے لئے باہمی ہمت اتحاد و اتفاق روپیہ اور تعلیم کی ضرورت ہے۔ ان چاروں چیزوں کے بغیر کوئی کنبہ آرام سے زندگی بسر نہیں کر سکتا۔

ایک کنبہ کے لئے سب سے پہلی ضرورت تعلیم کی ہے۔ ایک تعلیم یافتہ فرد ہی کنبہ کے تمام افراد کے ساتھ مناسب طرز عمل اختیار کر سکتا ہے تعلیم کے ذریعہ ہم اپنے جملہ فرائض سے واقف ہو جاتے ہیں اور فرائض کے بخوبی انجام دینے سے ہی کنبہ خوش و خرم رہ سکتا ہے۔ اس لئے اگر ہم کسی کنبہ کی زندگی خوشگوار بنانا چاہتے ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ کنبہ کے تمام افراد کو تعلیم یافتہ بنائیں، اس کے بغیر نہ تو ہم اپنی زندگی عمدہ طریقے سے بسر کر سکتے ہیں اور نہ کنبہ کے دوسرے افراد کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔

کنبہ کو سکھی بنانے کے لئے دوسری ضروری چیز باہمی محبت اور ہمدردی کا ہے۔ لڑائی جھگڑے، اور فتنہ و فساد کی زندگی کبھی آرام کی زندگی نہیں کہلائی جا سکتی جس کنبہ کے افراد میں باہمی محبت اور ہمدردی کا رشتہ ہے وہاں خدا کی رحمت برستی ہے۔ اس کے برخلاف جہاں ہر وقت لڑائی جھگڑا ہوتا ہے

وہاں خدا کا قہر نازل ہوتا ہے اور وہ گھر شیطان کا مسکن بن جاتا ہے۔ آپس کا رشک و حسد، بغض و عناد اور فتنہ و فساد خانگی زندگی کو تلخ اور بدمزہ کر دیتا ہے۔ بہت سے کنبے اور خاندان آپس کے جھگڑوں سے برباد ہو گئے۔ ماں، باپ بھائی بہن اور گھر کے دوسرے آدمیوں میں محبت اور میل جول ہونا بہت ضروری ہے۔ اس کے بغیر کوئی کنبہ آرام سے زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ خوشحالی اور فارغ البالی عموماً ان ہی خاندانوں میں دیکھی جاتی ہے۔ جہاں گھر کا ہر فرد خاندان کے مفاد کو اپنا مفاد اور مشترکہ فائدہ کو اپنا فائدہ سمجھتا ہے۔

کنبہ سکھی بنانے کے لئے تیسری ضروری چیز روپیہ ہے۔ روپیہ کی کمی گھر کے تمام نظام کو خراب کر دیتی ہے۔ غریبی تمام دکھوں اور عیبوں کی جڑ ہے۔ انسان روپیہ روپیہ کی ضرورت سے مجبور ہو کر طرح طرح کے گناہ کرتا ہے۔ اس کے اندر خودغرضی اور مطلب پرستی پیدا ہو جاتی ہے۔ اسکا اخلاقی معیار پست ہو جاتا ہے۔ مفلسی میں پاکیزہ اور اعلیٰ خیالات رفتہ رفتہ رخصت ہونے لگتے ہیں۔ گھر میں معمولی معمولی باتوں پر جھگڑا ہوتا ہے۔ غرض مفلسی میں انسان اپنے خانگی فرائض بخوبی انجام نہیں دے سکتا۔ مفلسی میں بچوں کی خاطر خواہ تعلیم و تربیت ہونا تو در کنار گھر کی ضروریات ہی پوری نہیں ہوتیں۔ بیماری کا علاج، کھانے پینے کا بندوبست، کپڑے کا انتظام غرض گھر کا کوئی کام بغیر روپیہ کے نہیں ہو سکتا ایسی صورت میں گھر دوزخ بن جاتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ کنبہ کا ہر فرد روپیہ کمائے تاکہ خانگی امور میں کوئی دقت پیش نہ آئے۔ اگرچہ عورتیں اور بچے روپیہ پیدا نہیں کر سکتے وہ اخراجات میں کفایت ضرور کر سکتے ہیں۔ مالی حالت کی درستی میں عورتیں بہت مدد دے سکتی ہیں۔ اگر وہ کفایت شعاری سے کام لیں تو حالت درست ہو سکتی ہے۔ عورتوں کو یہ خیال رکھنا چاہئے کہ روپیہ

بڑی تنگی سے کمایا جاتا ہے اس لئے اسے نہایت سلیقہ سے خرچ کرنا چاہئے
خانگی مصروفیات کے علاوہ جو وقت بچ رہے اسے وہ سینے پرونے، کشیدہ کاری
اور دوسرے مفید کاموں میں صرف کریں۔ اگر حساب لگایا جائے تو ایک کثیر
رقم چھوٹے چھوٹے کپڑوں کی سلائی، رنگائی اور دیگر ایسے متفرق کاموں
میں خرچ ہو جاتی ہے جن کو عورتیں خود کر سکتی ہیں۔ اس لئے اگر عورتیں
کفایت شعاری اور دور اندیشی سے کام لیں اور گھر کے مرد پوری محنت
اور مستعدی سے روپیہ کمائیں تو ایک کنبہ بڑے آرام کے ساتھ زندگی
بسر کر سکتا ہے۔

کنبہ کو سکھی بنانے کے لئے چوتھی ضروری چیز باہمی اتفاق و اتحاد اور
رواداری ہے جس کنبہ کے افراد میں اتفاق اور اتحاد نہیں ہے وہ کبھی
سرسبز نہیں ہو سکتا۔ باہمی اتحاد اور تعاون سے بڑے بڑے مشکل کام آسان
ہو جاتے ہیں اور آپس کی نااتفاقی سے آسان کام بھی دشوار بن جاتے ہیں۔
ایک سکھی کنبہ کے لئے ضروری ہے کہ اس کے تمام افراد میں اتحاد ہو اور وہ
سب ایک دوسرے کے کام میں امداد دیں۔ اگر ایسا نہ ہوگا تو کنبہ کا نظام
درہم برہم ہو جائے گا۔

کنبہ اور دوسری قدرتی جماعتیں

کنبہ کے بعد ذات، فرقہ، گاؤں، ضلع، صوبہ، ملک اور دنیا وغیرہ
دوسری قدرتی جماعتیں ہیں۔ اگر نظر غور سے دیکھا جائے تو کنبہ اور ان جماعتوں
میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ تمام جماعتیں کنبہ ہی کی بڑی شکلیں ہیں۔ دنیا کنبہ کی
مجموعی شکل کا نام ہے۔ کیونکہ یہ چھوٹے چھوٹے کنبوں سے مل کر بنی ہے۔ ہم سب
ایک خدا کی مخلوق ہیں۔ وہی ہم سب کا مالک خالق اور رازق ہے۔ اس کی

عطا کی ہوئی نعمتیں مثلاً ہوا، پانی، آگ وغیرہ سب کے لئے یکساں ہیں اور ہر
شخص ان سے حسب منشاء فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ نسل اور رنگ کا امتیاز یہ جو
آج ہمیں نظر آتا ہے۔ ہمارے انسان ہونے میں کوئی فرق پیدا نہیں کرتا۔
آب و ہوا وقت اور جگہ کے اثرات نے ہماری شکلیں اور ہمارے رنگ تبدیل
کر دیئے ہیں۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک زمانہ میں ہم سب کے آباؤ
اجداد ایک ہی خاندان کے افراد تھے۔ اگر ہمارے اندر اخوت و مساوات
باہمی ہمدردی اور بھائی چارے کے جذبات پیدا ہو جائیں تو یہ دنیا جو
آج دوزخ بنی ہوئی ہے بہشت بن جائے۔ یہ نسلی امتیاز، قومی تفریق اور فرقہ
وارانہ مخالفت باقی نہ رہے۔ جنگ و جدل، قتل و خونریزی جو انسانیت
کے لئے باعث شرم ہے صفحہ ہستی سے ناپید ہو جائے۔ وہ طاقتیں جو بنی نوع
انسان کو تباہ و برباد کرنے میں مصروف ہیں انسانی زندگی کی ترقی میں لگ
جائیں۔ جہاز، ہوائی جہاز، ٹینک، ایٹم بم اور دوسری اسی قسم کی چیزیں جو آج
دنیا کے لئے موت کا پیغام بنی ہوئی ہیں انسان کی ذہنیت بدلتے ہی بنی
نوع انسان کے لئے رحمت کے فرشتے ثابت ہوں۔

قبیلہ اور فرقہ

کنبوں اور خاندانوں کے باہمی میل جول سے قبیلہ اور
فرقے بنے جو ایک جگہ رہنے لگے۔ ان میں سے کچھ تو
مستقل طور سے ایک مقام پر ہی رہتے رہے اور کچھ دوسرے مقامات کو
چلے گئے۔ ہندوستان میں آنے والے "آریہ" کنبوں اور گروہوں میں منقسم تھے
ان کے الگ الگ گروہ اور قبیلے تھے۔ ایک جگہ کے رہنے سہنے سے رفتہ رفتہ
ان میں میل جول بڑھتا گیا اور سب کو ایک نظام میں رکھنے کی غرض سے اس
گروہ یا قبیلہ کا ایک سردار (Tribal leader) بن گیا۔

یہ سردار قبیلہ یا گروہ کے تمام اشخاص پر حکومت کرتا تھا۔ اب بھی بہت سے
پہاڑی اور دشوار گذار مقامات میں بہت سے چھوٹے چھوٹے گروہ اسی شکل
میں پائے جاتے ہیں۔ ان قبیلوں اور گروہوں میں بہت اتحاد و اتفاق
ہوتا ہے اور ان کے تمام افراد خود کو ایک ہی کنبہ میں سمجھتے ہیں۔

گاؤں

گاؤں ہمارے ملک کی اکائیاں ہیں۔ جنہوں نے ہمارے قدیم
تہذیب و تمدن کو اب تک قائم رکھا ہے۔ گاؤں کو خدا نے بنایا ہے
اور شہر کو انسان نے۔ ہمارے ملک کے ۹۰ فیصدی آدمی دیہات میں رہتے ہیں
اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر ہندوستان کے دیہات کی اصلاح ہو جائے تو ۹/۱۰
ملک کی اصلاح ہو جائے گی۔ لیکن اب تک دیہات کی اصلاح اور ترقی کی طرف
بہت کم توجہ کی گئی ہے۔ حکومت کی توجہ زیادہ تر شہر کی طرف رہی یعنی اب
تک کروڑوں روپیہ صرف ۱/۱۰ ہندوستان کی اصلاح و بہبودی کے لئے خرچ
کیا گیا اور ۹/۱۰ ہندوستان اس سے بالکل محروم رہا۔ اب ہمارا فرض ہے کہ
دیہات کی زیادہ سے زیادہ اصلاح کریں۔ تعلیم، صفائی اور صنعت و حرفت
کا معقول انتظام کریں۔ دیہات میں صنعتی اسکول، ورزش گاہیں۔ اکھاڑے
قائم کئے جائیں ان کی مالی حالت کی درستی کے لئے ہر ممکن کوشش کی جائے
پنچایتوں اور امدادی جماعتوں کا انتظام بھی ہونا چاہئے۔

شہر

اگرچہ زمانہ کے انقلاب اور مغربی تہذیب کے اثر نے ہندوستان کی شہری
زندگی کی کایا پلٹ کر دی ہے تاہم کہیں کہیں ہمارے پرانے تہذیب
و تمدن کے آثار ابھی تک پائے جاتے ہیں۔ شہر کی زندگی دیہات کی زندگی
سے زیادہ مشغول اور عملی ہوتی ہے۔ اس مصروف زندگی (Busy)
(Refresh کی تکان دور کرنے اور دل و دماغ کو تر و تازہ رکھنے کے لئے تفریح

تفریح طبع کے ذرائع کی ضرورت ہے، ریڈنگ روم، پارک، کلب، سینما اور
اسی قسم کی دوسری چیزیں شہر کے لئے ضروری ہیں۔ اس کے علاوہ شہر میں تعلیم
صفائی، روشنی، پانی، شفاخانوں، ورزش گاہوں، کھیل کے میدان، لائبریری
ذرائع آمد و رفت وغیرہ کا معقول انتظام ہونا چاہیئے۔ شہریوں کا فرض ہے
کہ وہ شہر کے انتظام میں کافی دلچسپی لیں اور مقامی سوراجیہ کو زیادہ سے زیادہ
کامیاب بنانے کی کوشش کریں۔

ضلع اور صوبہ ضلع اور صوبہ قدرتی جماعتیں بھی ہیں اور مصنوعی بھی۔ قدرتی
تو اس وجہ سے ہیں کہ ان کے تمام باشندے ان
اکائیوں کے لازمی ممبر ہیں، اور مصنوعی اس وجہ سے ہیں کہ ان کی حدود
تنظیم اور حکومت وغیرہ سب انسان کی قائم کی ہوئی ہیں۔ ضلع صوبہ کی اکائی ہے
ضلع کی مقامی حکومت غیر تسلی بخش ہے اس لئے فرض شناس، قابل اور ہوشیار
عہدیداران کی ضرورت ہے۔

ملک اپنے ملک اور اپنے وطن کا نام سنتے ہی ہمارے دل میں حب وطن
کے جذبات موجزن ہو جاتے ہیں۔ ہم خواہ کسی جگہ اور کتنے ہی
آرام سے ہوں لیکن ملک اور وطن کی یاد دل سے نہیں جاتی۔ ہمارے حقوق
و فرائض لاتعداد ہیں لیکن ان تمام حقوق و فرائض کا مرکز ہمارا ملک ہے
ہمارا سب سے بڑا فرض اپنے ملک و وطن کی خدمت کرنا اور اس کو ترقی
کے اعلیٰ مدارج پر پہنچانا ہے۔ ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں جن کی دلچسپی
بین الاقوامی معاملات میں ہوتی ہے۔ سب سے پہلے ہمیں اپنے ملک کی خدمت
کرنی چاہیئے۔ قومی، فرقہ وارانہ، صوبجاتی اختلاف کو دور کرکے ہمیں اپنے ملک
کی ترقی کے لئے مشترکہ کوشش کرنی چاہیئے۔

دُنیا (The World) دنیا ایک وسیع کنبہ ہے - دنیا کے تمام انسان ایک ہی خدا کی مخلوق ہیں - امیر، غریب، اعلیٰ وادنیٰ، گورے اور کالے کی تمیز مصنوعی ہے - خدا کی نظر میں سب لوگ برابر ہیں اور سب کو مساوی حقوق حاصل ہیں - آپس میں لڑنا جھگڑنا حیوانوں کا طریقہ ہے - اپنے بھائیوں سے لڑنا انسان کو زیب نہیں دیتا - جب ہم سب حضرت آدم کی اولاد ہیں تو سب انسانوں کے ساتھ برادرانہ سلوک کرنا چاہیئے اور اپنے مقامی اور ملکی مفادات کو نظرانداز کر کے تمام دنیا میں امن وآسائش قائم کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے تاکہ یہ دنیا جنت کا نمونہ بن جائے اور انسانی زندگی قابل رشک ہو جائے -

خلاصہ (Summary)

(۱) انسان اور سماج میں گہرا تعلق ہے - انسان کو سماج میں رہ کر کام کرنا چاہیئے -

(۲) مختلف کاموں کے لئے انسان مختلف جماعتیں اور سوسائیٹیاں قائم کرتا ہے - جماعتیں (Associations) دو قسم کے ہوتے ہیں - قدرتی اور مصنوعی -

(۳) کنبہ انسان کی سب سے پہلی اور سب سے اہم جماعت ہے، انسان کے عادات واطوار اور اخلاق کی بنیاد کنبہ ہی میں پڑتی ہے -

(۴) کنبہ کے بعد گاؤں، شہر، ضلع، صوبہ اور ملک اور اس کے بعد دنیا، انسان کی جماعتیں ہیں جو بتدریج وسیع ہوتی چلی گئی ہیں - ان میں رہ کر انسان کے فرائض بھی بڑھ گئے ہیں -

Questions.

1. How are associations formed? How would you classify them?
2. What is the importance of family in the social life of man? What are the conditions to make a family happy?
3. What is the duty of a citizen towards (i) his village or town (ii) Province (iii) Country.

تیسرا باب

شہری اور جماعتیں

Citizen and Association

(man made associations)

خودساختہ یا مصنوعی جماعتیں یہ پیشتر بیان کیا جا چکا ہے کہ ایک شہری کا قدرتی جماعتوں سے کیا تعلق ہوتا ہے۔ انسانی سوسائٹی کا ارتقا کیلیے قدرتی

طریقہ یہ ہوا ہے کہ ہر ایک شہری کے فرائض کا دائرہ بتدریج وسیع ہوتا چلا جاتا
ہے۔ اور وہ انسانی سوسائٹی کے کسی حصے اور کسی شعبہ سے اپنا تعلق قطع نہیں
کر سکتا اگر وہ ایک خاندان کا فرد ہے تو اپنے گاؤں، ضلع، صوبہ اور ملک سے
تعلق رکھنا اُس کے لئے لازمی ہو جاتا ہے۔ درحقیقت انسانی سوسائٹی ایک
سمندر ہے اور انسان اُس میں ایک مچھلی کی طرح رہتا ہے۔ مچھلی کا تعلق سمندر
کے صرف اُسی حصہ سے نہیں ہے جس میں وہ رہتی ہے بلکہ اُس کا تعلق تمام سمندر کے
سے ہے۔ انسانی سوسائٹی کے مختلف حصے قدرتی جماعتیں کہلاتے ہیں اس کے
علاوہ سوسائٹی میں اور بھی متعدد جماعتیں ہوتی ہیں جو مصنوعی یعنی انسان کی قائم
کی ہوئی (man made associations) ہوتی ہیں۔ ان مصنوعی
جماعتوں سے تعلق رکھنا ہر ایک شہری کے لئے ضروری اور لازمی نہیں ہے
بلکہ اپنی مرضی پر منحصر ہے۔ سماج اور سوسائٹی کی کچھ ضروریات اسی قسم کی ہوتی ہیں
کہ جن کو پورا کرنے کے لئے باہمی اتفاق اور امداد کی ضرورت ہوتی ہے۔ کوئی
اکیلا شخص اُن کو پورا نہیں کرتا۔ اس وجہ سے کچھ ضرورت مند اشخاص آپس میں
مل کر اُس ضرورت کو رفع کرنے اور اس کے نشیب و فراز پر غور کرنے کے لئے ایک
جماعت بنا لیتے ہیں۔ ان اشخاص کے باہمی مشورہ اور مشترکہ کوشش سے وہ
آسانی سے حل ہو جاتا ہے۔ فرض کرو ایک سوداگر یا تجار کسی خاص قسم کی تجارت
شروع کرنا چاہتا ہے۔ اگر وہ اکیلا اس کام کو کرے تو اُسے بہت دشواری پیدا
ہوگی۔ اس لئے کہ نہ تو وہ اُس کے نفع و نقصان اور مشکلات پر بخوبی غور کر سکتا
ہے اور نہ اُسے دنیا کے تمام بازاروں کے متعلق پوری واقفیت حاصل ہو سکتی
ہے۔ اگر اسی قسم کی تجارت سے تعلق رکھنے والے چند تجار آپس میں مل کر ایک
ایسوسی ایشن یا جماعت بنا لیں اور مشترکہ طور پر اس تجارت کو شروع کرنے کی

کوشش کریں تو نہایت آسانی اور کامیابی سے کام کو چلا سکتے ہیں۔ اس لئے کہ ایک دماغ کے مقابلہ میں کئی دماغ اور اکیلی کوشش کی بہ نسبت مشترکہ کوشش بدرجہا بہتر اور مفید ہوتی ہے۔ اسی طرح سوسائٹی میں متعدد، مذہبی، سیاسی، ادبی تجارتی، اور تعلیمی معاملات ہوتے ہیں جن کو حل کرنے کے لئے جماعت بنانے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ ہر ایک جماعت کی تنظیم کسی خاص غرض وغایت سے کی جاتی ہے۔ چونکہ ایک شہری کے مفاد اور اغراض مختلف اور متعدد ہوتے ہیں۔ اس لئے اسے بہت سی جماعتوں کا ممبر بننا پڑتا ہے۔ ان میں سے خاص خاص مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) مذہبی جماعتیں (۲) تجارتی اور اقتصادی جماعتیں (۳) علمی وادبی جماعتیں (۴) تفریح طبع کی جماعتیں (۵) معاشرتی جماعتیں (۶) فرقہ وارانہ اور ذات پات کی جماعتیں (۷) تہذیب وتمدن کی یا کلچرل جماعتیں۔ (۸) سیاسی جماعتیں۔

شہری اور جماعت اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ شہری اپنے مفاد کے لئے جماعتیں قائم کر لیتے ہیں۔ یہ سب جماعتیں ایک طرح کی نہیں ہوتیں۔ کسی میں ممبروں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے اور کسی میں کم۔ بعض ایسوسی ایشن ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی شاخیں تمام دنیا میں ہوتی ہیں اور ان کے ممبران دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیلے ہوئے ہوتے ہیں۔ بہت سی جماعتیں مستقل ہوتی ہیں اور بہت سی عارضی، ان کو مفید اور کامیاب بنانے کے لئے ممبروں کا نیک نیت، ایماندار اور بے لوث ہونا ضروری ہے۔ مطلب پرستی خودغرضی اور بے ایمانی سے جماعت کا شیرازہ بکھر جاتا ہے اور برسوں کی تیار کی ہوئی عمارت چشم زدن میں زمین پر آ رہتی ہے۔ لہذا ان جماعتوں کے ممبروں

کو چاہئے کہ اپنے مفاد کا خیال رکھنے کے ساتھ ساتھ جماعت اور ملک کے مفاد
کا بھی خیال رکھیں۔ اگر تمام جماعت کو فائدہ پہنچتا ہے تو اُس کے افراد کو ضرور
فائدہ پہنچے گا۔ جماعت کو فائدہ پہنچانے کے لئے اس کے ممبران میں جوش،
محبت اور قربانی کی ضرورت ہے۔ کوئی جماعت، کمیٹی یا ایسوسی ایشن
دو چار ممبران کی کوشش سے کامیاب نہیں ہو سکتا بلکہ تمام ممبران کو نہایت
سرگرمی سے حصہ لینا چاہئے۔ بہت سی جماعتیں ناکامیاب ہو جاتی ہیں کیونکہ اُن
کے ممبران نہ تو اُن کی میٹنگ میں شرکت کرنا ضروری سمجھتے ہیں اور نہ انھیں اپنی
ذمہ داری کا احساس ہوتا ہے۔ کچھ جماعتیں مالی مشکلات کی وجہ سے ناکامیاب ہوتی
ہیں۔ باہمی نفاق اور بے اعتمادی، پارٹی بندی اور خود غرضی بھی اُن کے زوال
کا سبب ہوتی ہے۔ بعض جماعتیں خود کوئی تعمیری کام کرنے کے بجائے دوسری
پارٹیوں اور جماعتوں کے خلاف پروپیگنڈا کرتے ہیں اپنا تمام وقت ضائع
کرتی ہیں۔ اُن کی وہ قوت جو اُن کے ذاتی استحکام میں صرف ہونی چاہئے تھی
دوسری جماعتوں کو نقصان پہنچانے میں ضائع ہو جاتی ہے۔ لہذا ہر ایک
شہری کا فرض ہے کہ جس جماعت کا وہ ممبر ہے اُس کی ترقی میں کوشش کرے
مگر دوسری جماعتوں کو نفرت و حقارت کی نظر سے نہ دیکھے اور نہ اپنی جماعت
کی طاقت کو دوسری جماعتوں کو نقصان پہنچانے میں صرف کرے۔ مذہبی
جماعتوں اور فرقوں میں اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے دشمنی
اور تعصب رکھتے ہیں۔ اُن کا زیادہ تر وقت دوسری جماعتوں کی عیب جوئی اور
نکتہ چینی میں صرف ہوتا ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ان سے فائدہ پہنچنے کے بجائے
ملک کے امن و امان میں خلل پڑ جاتا ہے۔ ایک سچے شہری کا یہ عقیدہ ہونا چاہئے
کہ ملک کی ترقی اسی صورت میں ہو سکتی ہے جبکہ تمام جماعتیں اپنے فرائض کو

بخوبی ادا کریں اور دوسری جماعتوں کے ساتھ برادرانہ محبت سے پیش آئیں۔

مذہبی جماعتیں

ابتدائے آفرینش سے انسان میں مذہبی خیالات موجود رہے ہیں۔ دراصل مذہب انسانی زندگی کا ایک خاص جز ہے۔ یہ اتنا ہی قدیم ہے جتنا انسان۔ ہر زمانہ اور ہر دور میں مذہبی پیشواؤں کی توقیر ہوتی رہی ہے۔ درمیانی دور میں پوپ کا درجہ بادشاہ وقت سے بھی زیادہ تھا۔ مذہبی جذبات کی تحریک سے لوتھر، کول ون اور زنگلی وغیرہ نے یورپ میں مذہبی جماعتیں قائم کیں۔ مذہب کی تبلیغ و اشاعت کے لئے بڑے بڑے سفر کئے گئے، بڑے بڑے جہاد کئے گئے۔ دنیا اور خاص طور سے یورپ کی تاریخ جہاد اور کروسیڈ (Crusade) کے مذہبی ہنگاموں سے رنگی ہوئی ہے۔ اگرچہ سائنس کے غلبہ نے مذہبی جوش و گرمی کو قدرے ٹھنڈا کر دیا ہے لیکن مذہب کی اہمیت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ ہندوستان تو مذہب کی کان ہے۔ "ایشیا کے زیادہ تر مذاہب ہندوستان ہی سے نکلے ہیں"۔ ہندوستان کی مذہبی زندگی دوسرے ممالک کے لئے نمونہ رہی ہے۔ ہندوستان کے لاتعداد مسجد، مندر اور گرجے اس امر کے شاہد ہیں کہ ہندوستان میں مذہب کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ بہت سی مسجدوں اور مندروں کے نام لاکھوں روپیہ کی جائداد وقف ہے۔ متھرا، بندرابن میں کچھ مندر ایسے ہیں جہاں سیکڑوں روپیہ کا روزانہ بھوگ لگتا ہے۔ مذہبی رجحان مختلف ہونے کے باعث لوگوں کا طریقہ عبادت بھی مختلف ہوتا ہے۔ کوئی نماز پنجگانہ کے ذریعہ خدا کی عبادت کرتا ہے تو کوئی گھنٹہ گھڑیال بجا کر بھگوان کا بھجن کرتا ہے۔ صبح کو کوئی قرآن کی تلاوت میں مصروف تو کوئی گیتا کے پاٹھ میں مشغول غرض ہر شخص اپنے مذہبی عقائد کے مطابق خدائے عزوجل کے حضور میں اپنی عقیدت کا اظہار کرتا ہے

مذہب بہت اونچی چیز ہے۔ یہ خالق اور مخلوق کے درمیان رشتہ پیدا کرتا ہے۔ مذہب کوئی خارجی شئے نہیں ہے۔ بلکہ اس کا مسکن انسان کا دل ہے۔ مذہبی جوش اور عقیدت میں انسان کو اپنے تن بدن کا ہوش نہیں رہتا ہے۔ محرم کے زمانہ میں اکثر شیعہ صاحبان جن کے دل شہید کربلا کی محبت سے معمور ہیں ماتم کرتے وقت بڑی طرح سینہ کوبی کرتے ہیں لیکن اس وقت انہیں تکلیف کا بالکل احساس نہیں ہوتا۔

ہمیں پوری آزادی ہے کہ ہم جو مذہب چاہیں اختیار کریں لیکن ایک انسان اور شہری ہونے کی حیثیت سے اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ ہماری زبان سے کوئی ایسا لفظ نہ نکلے جس سے دوسرے شخص کے مذہبی جذبات کو ٹھیس لگے۔

خدا کی نظر میں تمام مذاہب یکساں ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تمام مذاہب خدا تک پہنچنے کے مختلف راستے ہیں۔ ان میں سے کوئی سیدھا اور آسان ہے کوئی طویل اور پیچیدہ۔ جس طرح تمام ندیاں اپنے مختلف راستے طے کرکے آخر کار سمندر میں گر جاتی ہیں اسی طرح تمام مذاہب جن کی بنیاد حق پر ہے ایک مرکز یعنی خدا پر ختم ہو جاتے ہیں۔ مذہبی اصول اور عقائد کے اختلاف سے ہمارے انسان ہونے میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اور انسان ہونے کے رشتہ سے ہم سب بھائی بھائی ہیں۔ لہذا مذہبی عقائد کے اختلاف کی بنا پر ایک دوسرے سے نفرت کرنا تنگ ظرفی ہے۔ تمام عبادت گاہیں جو مسجد، مندر اور گرجا کی شکل میں نظر آتی ہیں ایک ہی خدا کے مسکن ہیں۔ خدا ہر جگہ اور ہر شئے میں موجود ہے اسے کسی خاص مقام یا شئے میں مقید کرنا خدا کو خدائی صفات سے محروم کرنا ہے

اقتصادی جماعتیں روپیہ انسانی زندگی کو خوش و خرم اور پرمسرت بنانے کا

واحد ذریعہ ہے۔ اس کے بغیر انسان آرام سے زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر انسان روپیہ کا خواہشمند ہے اور اس کے حاصل کرنے کے لئے ہر طرح کی جدوجہد کرتا اور سخت محنت و مشقت اٹھاتا ہے۔ روپیہ پیدا کرنے کے صدہا ذرائع ہیں جو رفتار زمانہ کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ آج کل مشین کا زمانہ ہے۔ سرمایہ پرستوں اور مزدوروں کا مسئلہ بڑا پیچیدہ ہو گیا ہے۔ سرمایہ دار چاہتے ہیں کہ مزدوروں کو کم سے کم تنخواہ دیکر ان سے زیادہ سے زیادہ کام لیا جائے۔ اور مزدور چاہتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ تنخواہ لیکر کم سے کم کام کیا جائے۔ اپنے اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے سرمایہ داروں اور مزدوروں نے متعدد جماعتیں بنا رکھی ہیں۔

مزدوروں کی جماعتیں دنیا کے ہر ایک ملک اور ہر ایک حصہ میں قائم ہو گئی ہیں۔ ان کے پاس ہڑتال کا ایک ایسا موثر ہتھیار ہے جس کے سامنے تمام سرمایہ داروں کو ہار ماننی پڑتی ہے۔ ایک دن کی ہڑتال سے لاکھوں روپیہ کا نقصان ہو جاتا ہے۔ لیگ آف نیشنس League of nations سے ملحق بین الاقوامی لیبر یونین International Labour U... دنیا کے مزدور طبقہ کے حقوق و مفاد کی حفاظت کے لئے بہت کوشش کر رہی ہے یہ انہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ مزدوروں کا ہفتہ ۴۸ گھنٹہ کا رہ گیا ہے اور تنخواہ کے علاوہ انہیں وقتاً فوقتاً بونس بھی دیا جاتا ہے۔

اس مشین کے زمانہ میں سرمایہ داروں نے کافی ترقی کی اور ان کی تعداد روز بروز بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ ہر ملک کے سرمایہ دار عمدہ سے عمدہ مال تیار کرا کر کم سے کم قیمت پر فروخت کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ ان کا مال دوسرے ممالک کے مقابلہ میں ٹھہر سکے۔ اس مقابلہ یعنی Competition

کی وجہ سے چیزوں کی قیمت دن بدن ارزاں ہوتی جاتی ہے اور نئی کمپنیاں پنپنے نہیں پاتیں۔ اشیاء کی قیمت مقرر کرنے اور جملہ سرمایہ داروں کے مفاد کے لئے حفاظت کے لئے سرمایہ دار اپنی جماعتیں بنا لیتے ہیں۔

باہمی اتفاق اور تعاون سے بڑے بڑے کام آسانی سے سرانجام ہو جاتے ہیں اس لئے جماعت کی تنظیم سے اس کے ہر فرد کو فائدہ پہنچتا ہے۔ لیکن اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ ایک جماعت سے کسی دوسری جماعت کو نقصان نہ پہنچے بلکہ ہر شخص کے جائز حقوق اور مفاد محفوظ رہنے چاہئیں۔

آج کل دنیا کے ہر ملک میں باہمی اتفاق اور تعاون کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ ہر ملک میں متعدد جماعتیں موجود ہیں۔ ہندوستان میں بھی مختلف پیشوں کے اعتبار سے بہت سی جماعتیں بن گئی ہیں۔ وکیل، ڈاکٹر، مدرس، کلرک، پوسٹ مین، پنشنر، چوہدری وغیرہ وغیرہ نے اپنے حقوق اور مفاد کے لئے اپنی جماعتیں بنا لی ہیں۔ ہر سال ان جماعتوں کے سالانہ جلسے منعقد ہوتے ہیں جہاں پر اپنی ترقی و بہبودی اور حقوق کی حفاظت کے متعلق غور کیا جاتا ہے۔

ہمارا ملک کسانوں کا ہے۔ یہاں کے ۷۰ فیصدی آدمی کھیتی کرتے ہیں کسانوں اور کاشتکاروں کی مالی حالت بہت خراب رہی ہے جس کی وجہ سے ان کی گھریلو زندگی بڑی بے لطف رہی ہے۔ افلاس اور غریبی کی وجہ سے نہ ان کی کوئی سوشل زندگی ہے اور نہ شہری زندگی۔ لیکن یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ ہندوستان کے بھی کسانوں نے اتفاق کر کے اپنی کسان سبھا قائم کر لی ہے جس سے ان کی حالت بہتر ہونے لگی ہے۔

کلچرل ایسوسی ایشن (Cultural Associations)

عام طور سے انسان کو دو قسم کی غذا کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ (۱) جسمانی غذا (۲) دماغی غذا Mental food کھانے سے جسمانی ضروریات پوری ہوتی ہیں اور علم سے دماغی۔ حصول علم کی خواہش ہر شخص کے دل میں قدرتی طور پر پیدا ہوتی ہے۔ جہالت سیکڑوں خرابیوں کی جڑ ہے جب کہ علم انسانی زندگی میں مشعل ہدایت کا کام دیتا ہے۔ علم کا مطلب ہے حق کو پہچاننا۔ جب تک ہم کسی چیز کی حقیقت و ماہیت سے واقف نہ ہوں ہم اُس سے پورا پورا فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے بہت سے اسکول، کالج، دار العلوم (یونیورسٹی) گروکل، پاٹھ شالہ اور مکتب وغیرہ قائم ہیں۔ ان میں سے بعض جماعتیں فرقہ وارانہ بھی ہوتی ہیں جو کسی خاص فرقہ یا مذہب سے تعلق رکھتی ہیں اور جہاں اسی فرقہ کے عقائد اور مذہبی اصول کی تعلیم خاص طور سے دی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے کتب خانے اور ریڈنگ روم بھی ہوتے ہیں جہاں اس قسم کا لٹریچر موجود ہوتا ہے۔

کلچر مقام، زمانہ اور آب و ہوا پر منحصر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی کلچر جملہ خوبیوں کے باوجود عالمگیر نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ہر ملک کی تہذیب و تمدن مختلف ہونا قدرتی ہے۔ کلچر کا عام مفہوم "تہذیب" ہے لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو کلچر میں رہن سہن، طرز معاشرت، طرز گفتگو، آداب مجلسی، خورد و نوش وغیرہ سب شامل ہیں۔ ان تمام باتوں سے کسی ملک کی تہذیب کا پتہ چلتا ہے جب کسی ملک کی تہذیب ترقی کرتے کرتے ایک خاص منزل پر پہنچ جاتی ہے تو وہاں کے باشندوں کے خیالات، طرز معاشرت، لباس، گفتار وغیرہ میں یکسانیت اور یک رنگی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس مجموعی یک رنگی

اور یکسانیت کو کلچر کہتے ہیں۔
کسی ملک کی تہذیب وقت کی ضرورت کے لحاظ سے بدل بھی جاتی ہے
وجہ یہ ہے کہ خیالات میں تبدیلی واقع ہونا قدرتی ہے جو ممالک زمانہ کے
قدم بقدم نہیں چلتے اور جن کی تہذیب زمانہ کے رجحان سے متاثر نہیں ہوتی
اُن کا شمار غیر مہذب اور پسماندہ ممالک میں ہونے لگتا ہے ع
رہا جو پس کارواں رہ گیا

ہندوستانی تہذیب بھی زمانہ کے انقلابات سے کافی متاثر ہوئی اور
یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کی جو تہذیب ہندو راجاؤں کے زمانہ میں تھی وہ
اسلامی حکومت کے زمانہ میں نہ رہی اور جو اسلامی حکومت کے عہد میں
تھی وہ انگریزوں کے عہدِ حکومت میں نہ رہی اور مغربی تہذیب کا اثر ہندو
مسلمان سب پر پڑا۔

کسی ملک کے تہذیب و تمدّن میں تبدیلی واقع ہو جانے سے اُس کے
باشندوں کے عادات و اطوار اور طور و طریق میں بھی تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے
اس کے علاوہ کسی دوسرے ملک میں رہنے سہنے سے بھی تہذیب پر اثر پڑتا ہے
مسلمانوں کو ہندوستان میں آئے صدیاں گذر چکیں اس لئے مسلمانوں کا کوئی
علاحدہ کلچر نہیں رہا بلکہ اُن کی اسلامی تہذیب ہندوستانی تہذیب سے گھل مل کر
ہندوستانی ہوگئی۔ اب دونوں کی تہذیب ہندوستانی ہے۔

علمی و ادبی جماعتیں انسان کی ترقی کا واحد ذریعہ تعلیم ہے۔ بغیر علم
کے انسان اور حیوان میں کچھ فرق نہیں۔ بغیر علم کے نہ تو انسان کے دماغ
کا نشو و نما ہوتا ہے اور نہ وہ دنیا کے کاموں کو بخوبی انجام دے سکتا ہے۔ دنیا

کے تمام ممالک نے علم کے ذریعہ ترقی حاصل کی ہے۔ سوویٹ روس کا یہ عروج تعلیم ہی کی بدولت ہے ۱۹۱۷ء میں روس کا شمار غیر مہذب، غیر تعلیم یافتہ اور پس ماندہ ملکوں میں تھا لیکن آج اس کا شمار دنیا کے سب سے زیادہ مہذب اور ترقی یافتہ ممالک میں کیا جاتا ہے یہ سب تعلیم کی برکت ہے۔ امریکہ انگلینڈ اور جرمنی وغیرہ ممالک کے باشندے تقریب قریب سو فیصدی تعلیم یافتہ ہیں اس کے برعکس ہندوستان میں صرف ۱۰ فیصدی اشخاص تعلیم یافتہ ہیں۔ عورتوں کی کثیر تعداد بالکل ناخواندہ ہے بمشکل سے ۵ فیصدی عورتیں پڑھی لکھی ہیں۔ ہندوستان میں تعلیم کا انتظام تسلی بخش نہیں ہے۔ اتنے وسیع ملک میں کتنے کالج اور یونیورسٹیاں ہیں۔ ابتدائی تعلیم کا کوئی معقول انتظام نہیں۔ کتب خانوں اور ریڈنگ روم کی تعداد بہت تھوڑی ہے۔ ایسی صورت میں ملک کا ترقی کرنا ناممکن ہے۔

علمی ترقی کے لئے ہندوستان میں پبلک کی طرف سے بہت سی انجمنیں قائم کی گئی ہیں۔ ہندی اور اردو کی اشاعت کے لئے ہر صوبہ میں متعدد انجمنیں ہیں جو اپنا کام بڑی سرگرمی اور جوش سے انجام دے رہی ہیں۔ ہندی کی ترقی کے لئے ہندی ناگری پرچارنی سبھا، ہندی ساہتیہ سمیلن وغیرہ اور اردو کی ترقی کے لئے انجمن ترقی اردو مولوی عبدالحق صاحب کی سرکردگی میں کام کر رہی ہیں۔ وقتاً فوقتاً ہندی اور اردو کے مشاعرے بھی منعقد ہوتے رہتے ہیں جس سے زبان کی کافی اشاعت ہوتی ہے۔ ان انجمنوں کی کوشش سے اب ہندی اور اردو کا ادبی ذخیرہ کافی ترقی کرتا جا رہا ہے اس کے علاوہ ہندوستان کی کچھ قابل اور مقتدر ہستیاں اس امر کی کوشش میں مصروف ہیں کہ اردو اور ہندی کو ملا کر ایک ہندوستانی زبان بنا لی جائے

جو عام فہم ہونے کے علاوہ ہندو اور مسلمان دونوں کی نمائندگی کر سکے۔ دراصل ہندوستانی ہی آزاد ہندوستان کی ملکی زبان بن سکتی ہے۔ علم سائنس کی ترقی کے لئے (all India science Academy) وغیرہ انجمنیں ہیں۔ اسی طرح علم اقتصاد علم سیاست اور ڈاکٹری کی ریسرچ کے لئے مزید انجمنیں بن گئی ہیں۔ ہندوستان کی ہر ایک یونیورسٹی اور کالج سائنٹفک، سیاسی اور تاریخی انجمنیں اپنا کام نہایت سرگرمی۔ اور مستعدی سے کر رہی ہیں۔ ان ایسوسی ایشنس کی خدمات قابل تعریف ہیں۔ ہر ایک کالج اور یونیورسٹی میں قابل پروفیسروں کی نگرانی میں معلومات (ریسرچ) کا کام بڑے زور و شور سے ہو رہا ہے۔ اس کے علاوہ شعر و شاعری علم موسیقی، اور دیگر علوم و فنون کی ترقی اور احیا کے لئے کافی کوشش کی جا رہی ہے۔

کھیل اور تفریح طبع کی جماعتیں (Games Sports + Recreations Assn.)

انگریزی کی مشہور کہاوت ہے (All work and no play makes jack a dull boy.) تندرستی برقرار رکھنے کے لیے کھیل کود اور تفریح نہایت ضروری ہے۔ اس کے علاوہ دماغی ورزش کے ساتھ ساتھ جسمانی ورزش بھی ضروری ورنہ توازن قائم نہ رہے گا اور تندرستی خراب ہو جائے گی یہی وجہ ہے کہ تمام اسکول اور کالجوں میں پڑھنے کے ساتھ ساتھ کھیل کود اور تفریح کا بھی معقول انتظام ہوتا ہے لڑکوں کو تعلیم دی جاتی ہے کہ وہ مناسب وقت پر مناسب کام کریں اور دل لگا کر اسے انجام دیں۔ (Work while you

work play while you play

روزانہ کا کام خواہ کتنا ہی آسان کیوں نہ ہو اُس کے کرنے سے تھوڑی بہت تکان ضرور ہو جاتی ہے۔ اس لئے ہر شخص دن بھر کام کرنے کے بعد آرام کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ اس تھکن کو دور کرنے کے لئے کسی نہ کسی قسم کی تفریح بھی ضرورت ہے۔ تفریح طبع سے ہماری دن بھر کی تھکی ہوئی طاقتیں ازسرِنو تازہ ہو جاتی ہیں اور ہم دوسرے روز کام کرنے کے لئے چاق چوبند ہو جاتے ہیں جن لوگوں کو کام کرنے کے بعد آرام اور تفریح کا موقعہ نہیں ملتا ان کی تندرستی اکثر خراب رہتی ہے اور ان کی زندگی نہایت خشک بے لطف اور بدمزہ ہو جاتی ہے۔ اُن میں جوش اور ولولہ باقی نہیں رہتا۔ وہ ایک مشین کی طرح اپنی زندگی بسر کرتے ہیں جس کا انھیں احساس بھی نہیں ہوتا۔ اس لئے تندرستی کو برقرار رکھنے اور قوئی جسمانی کو تازہ رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ نہ کسی قسم کا کھیل کود یا تفریح اختیار کی جائے۔

کچھ کھیل (Games & sports) اس قسم کے ہوتے ہیں کہ تفریح کے علاوہ اُن میں جسمانی ورزش بھی ہو جاتی ہے۔ ہاکی، فٹ بال، کرکٹ، ٹینس وغیرہ سے تفریح کے علاوہ ورزش بھی ہوتی ہے۔ دیسی کھیلوں سے بھی یہی مقصد حاصل ہوتا ہے لیکن ان کے اندر وہ نفاست اور شستگی نہیں ہے جو انگریزی کھیلوں کے اندر ہے۔ ورزش اور تفریح کے علاوہ ان کھیلوں کی ایک خاص اہمیت ہے وہ یہ کہ ان کے ذریعہ ایک بچہ میں وہ تمام اوصاف پیدا ہو سکتے ہیں جو ایک شہری کے لئے ضروری ہیں۔ انسان کی آئندہ زندگی کا خاکہ یہیں تیار ہوتا ہے۔ ٹریفیلگر کی لڑائی نیلسن ہیرو واٹرلو کے کھیل کے میدان میں پہلے ہی لڑ چکا تھا۔ ان کھیلوں کے ذریعہ ہماری اخلاقی اور سوشل اصلاح

ہوتی ہے۔ یہ تربیت اور اصلاح ہماری آئندہ زندگی کو شاندار اور خوشگوار
بنانے میں ایک بڑی حد تک مدد کرتی ہے۔ آج کل ہر اسکول اور کالج میں
انگریزی اور دیسی کھیلوں کا معقول انتظام ہوتا ہے۔ ہر کھیل کے لئے ایک
علیحدہ ٹیم بنا دی جاتی ہے۔ جو لڑکے جس کھیل میں خاص طور سے دلچسپی
رکھتے ہیں ان کا نام اسی کھیل کی ٹیم میں لکھ لیا جاتا ہے۔ ایسا انتظام کیا جاتا ہے
کہ روزانہ ہر ایک لڑکے کو کوئی نہ کوئی کھیل کھیلنے کو مل جاتا ہے۔ کبھی کبھی یہ ٹیم
دوسرے اسکولوں اور کالجوں میں بھی کھیلنے جاتی ہیں۔ کھیلوں کے علاوہ
ہر ایک اسکول میں اسکاؤٹنگ (تحریک طلبیعہ) بھی ہوتا ہے۔ جن میں طرح
طرح کے کھیل کھیلے جاتے ہیں۔ اسکاؤٹنگ میں صرف کھیل کود اور تفریح ہی
نہیں ہوتی بلکہ انھیں ایک خاص قسم کی تعلیم بھی دی جاتی ہے تاکہ وہ آگے چلکر
اپنے ملک اور اپنے ہم وطنوں کی مدد کر سکیں۔ اسکولوں کے علاوہ ہاکی،
فٹ بال، ٹینس، اور والی بال کے کچھ پرائیویٹ کلب بھی ہوتے ہیں۔ جن میں
دیگر شہری شامل ہوتے ہیں۔

کھیل کی ان جماعتوں کی آج کل کافی ترقی ہو رہی ہے۔ بہت سی جماعتوں
کی شاخیں تمام ملک بلکہ تمام دنیا میں قائم ہیں۔ ایک ملک کی ٹیم دوسرے ملکوں
میں کھیلنے کے لئے جاتی ہے۔ آج کل Olympic associations
دنیا کی سب سے بڑی کھیل کی جماعت ہے۔ دنیا کے تمام ممالک میں اس کی
شاخیں قائم ہیں۔ ہمارے ملک کے کھلاڑیوں نے بھی دنیا کے دوسرے ملکوں
میں جا کر اپنا سکہ جما دیا ہے۔ کھیل اور تفریح کے لئے تاش، شطرنج، چوپڑ وغیرہ
بھی آسان ذرائع ہیں۔ اس کے علاوہ گانا، بجانا، ڈرامہ، سرکس، تھیٹر، سنیما
وغیرہ بھی تفریح طبع کے مختلف ذرائع ہیں، جہاں ہر شخص اپنے مذاق کے مطابق

تفریح کر سکتا ہے

معاشرتی جماعتیں (Social Service Associations)

مصیبت زدوں کی امداد کرنا ہر ایک شہری کا فرض ہے ملک اور قوم کی خدمت کا درجہ بہت بلند ہے۔ تمام مذاہب اس امر کی تعلیم دیتے ہیں کہ بیکسوں کی خدمت اور امداد انسان کا فرض اولین ہے۔ ہر انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنے سماج اور اپنی سوسائٹی کی خدمت کے لئے ہمیشہ کمربستہ رہے وبائی امراض مثلاً ہیضہ پلیگ اور دیگر آفات مثلاً آتش زدگی، سیلاب، قحط، زلزلہ، اور اسی قسم کے دوسرے مصیبت کے موقعوں پر پبلک کی خدمت کرنا نہایت ضروری ہے ایسے موقعوں پر دس یا بیس آدمیوں سے کام نہیں چل سکتا۔ وہاں تو ہزاروں آدمیوں اور لاکھوں روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس قسم کی خدمت کے لئے ایک مخصوص ٹریننگ اور تربیت کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ہمارے یہاں کے بہت سے اسکول اور کالجوں میں اسکاؤٹنگ سیوا سمتی، ریڈ کراس وغیرہ کے ممبروں کو معقول تعلیم دی جاتی ہے کہ وہ ایسے موقعوں پر نہایت عمدگی کے ساتھ مصیبت زدوں کی امداد کر سکیں۔ ریڈ کراس اور اسکاؤٹ ایسوسی ایشن دنیا کی سب سے بڑی جماعتیں ہیں۔ اسکول اور کالجوں کے طالب علموں کے علاوہ شہریوں نے پرائیویٹ جماعتیں بھی بنا رکھی ہیں جو میلہ، دسہرہ، رام لیلا، نمائش وغیرہ کے موقعوں پر پبلک کی خدمت کرتی ہیں۔ ان کا یہ بھی کام ہوتا ہے کہ وبائی امراض پھیلنے پر بیماروں کی مدد کریں۔ گرمیوں کے موسم میں اسٹیشن جا کر مسافروں کو پانی پلائیں اور اسی قسم کے دوسرے کام کریں۔

خدمت عوام کے کاموں میں ہر ایک شہری کو حصہ لینا چاہئے لیکن ان لوگوں

کے دل میں خدمت کا سچا جذبہ ہونا چاہئے۔ کچھ لوگ صرف دکھانے یا شہرت کے لئے ان جماعتوں میں شامل ہو جاتے ہیں بعض اشخاص صرف اپنی ذاتی اغراض پورا کرنے کے لئے ان کے ممبر بنتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُن کی وجہ سے یہ جماعتیں بدنام ہو جاتی ہیں اور پبلک کو اس سے جتنا فائدہ پہنچنا چاہئے اتنا نہیں پہنچتا۔ یتیم خانے، دھرم شالے اور اسی قسم کے دوسرے ادارے کارکنان میں سے کسی ایک کی بدنیتی یا خود غرضی کی وجہ سے بدنام ہو جاتے ہیں۔ لہذا ضروری ہے کہ کام کرنے والوں اور منتظمین میں خدمت اور ایثار کا جذبہ موجود ہو۔ بغیر اس کے کوئی جماعت کامیاب نہیں ہو سکتی۔

فرقہ وارانہ جماعتیں (communal associations) ہمارے ملک کے باشندے مختلف ذاتوں اور قوموں میں منقسم ہیں۔ ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی اور پارسی ہندوستان کی خاص قومیں ہیں۔ ہر ایک قوم کے مذہب اور حقوق و مفاد کی حفاظت کے لئے الگ جماعتیں بنی ہوئی ہیں مثلاً ہندوؤں کے مفاد کی حفاظت کے لئے ہندو مہاسبھا، مسلمانوں کی مسلم لیگ، سکھوں کی سکھ سبھا وغیرہ وغیرہ۔ ان جماعتوں کی شاخیں ہندوستان کے صوبوں، ضلعوں اور تمام بڑے بڑے شہروں میں قائم ہیں۔ یہ جماعتیں اپنے فرقوں کی فلاح و بہبود، تعلیم اور دیگر امور میں کوشش کرتی ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ ان جماعتوں کے ممبران دوسری جماعتوں کے وجود کو برداشت نہیں کر سکتے اور اپنی زیادہ تر طاقت و قوت دوسری جماعتوں کی بیخ کنی میں صرف کر دیتے ہیں۔ اُن کے اندر فراخدلی اور بلند خیالی کی کمی ہوتی ہے تعصب اور تنگ خیالی کی وجہ سے ان جماعتوں میں ہمیشہ اتحاد کی کمی رہتی ہے۔ فرقہ وارانہ جھگڑوں کا اصلی سبب قوت برداشت اور فراخدلی کی کمی

ہے۔ اگر یہ جماعتیں تنگ خیالی اور تعصب کو بالائے طاق رکھ کر خلوص اور سرگرمی
سے اپنے کام میں مشغول ہو جائیں تو ہندوستان کو بہت فائدہ پہنچ سکتا
ہے۔ اس لئے کہ جملہ اقوامِ ہند کی انفرادی ترقی اور اصلاح سے ہندوستان
کی مجموعی ترقی خود بخود ہو جائیگی۔ سوشل اصلاح کا کام بہت وسیع ہے اور
کوئی ایک جماعت اتنے بڑے کام کو بخوبی انجام نہیں دے سکتی۔ اس کے لئے
ہر قوم کی مختلف اور متعدد جماعتوں کی ضرورت ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ وہ
جماعتیں بھی جو سوشل اصلاح کا کام کرنا چاہتی ہیں سیاسی معاملات میں
دخل دیتی ہیں جس سے نہ تو وہ سوشل اصلاح کر سکتی ہیں اور نہ سیاسی ترقی۔
سوشل خدمت کے لئے بہت سے کام ہیں مثلاً بیاہ شادی کی خرابیاں دور
کرنا، بیواؤں کی شادی، تعلیمِ نسواں، پست اقوام کی اصلاح وغیرہ وغیرہ۔

(Political Associations)

سیاسی جماعتیں سیاسی جماعتوں کا کام ملک کے انتظامی معاملات کی
اصلاح اور عوام کی سیاسی ترقی میں کوشش کرنا ہے۔ یہ جماعتیں یہ دیکھتی
ہیں کہ آیا صوبوں، ضلعوں وغیرہ کا انتظام ٹھیک طور پر ہو رہا ہے یا نہیں اور
پبلک کو کچھ شکایت تو نہیں ہے۔ اس کے علاوہ الیکشن، ووٹروں کے حقوق و
فرائض اور دیگر سیاسی معاملات کی دیکھ بھال بھی یہی جماعتیں کرتی ہیں۔ پہلے
زمانہ میں ملک کے انتظام کی باگ ڈور بادشاہ کے ہاتھ میں ہوتی تھی وہ اپنے
چند وزیروں کے مشورہ سے تمام سلطنت کا انتظام کرتا تھا۔ عوام کو ملکی انتظام
میں دخل دینے کا کوئی حق نہ تھا۔ یہ طریقہ زمانۂ وسط تک چلتا رہا۔ آج کل جمہوریت
کا زمانہ ہے۔ اب ملکی انتظام میں بادشاہ کا کوئی
خاص ہاتھ نہیں ہے۔ ملک کا انتظام رعایا کے نمائندوں کے ذریعہ کیا جاتا ہے

قانون بنانا اور اُن کو عمل میں لانا وغیرہ عوام کے نمایندوں اور وزیروں کے
ذمہ ہے۔ ایسی صورت میں عوام کا فرض ہے کہ وہ تمام سیاسی اور انتظامی
معاملات کو سمجھنے کی کوشش کریں اس لئے کہ ملکی انتظام کی ذمہ داری اب ہر
ایک شہری پر ہے۔ ہمارے ملک میں غیر ملکی حکومت ہونے کے باعث سیاسی
اور انتظامی مسائل کو سمجھنا اور بھی ضروری ہو گیا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ انتظامی
خامیوں کو حکومت کے عہدیداران کے سامنے رکھیں اور اُن کو دور کرنے کی
مجموعی کوشش کریں۔ اگر ہم خاموشی سے ان خرابیوں اور خامیوں کو برداشت
کرتے رہیں گے اور ان کے دور کرانے کی کوشش نہ کریں گے تو ایک سچے شہری
ہونے کی حیثیت سے ہم اپنے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کریں گے۔ اس لئے
ملک میں سیاسی جماعتوں کا ہونا بہت ضروری ہے۔

ہمارے ملک میں انڈین نیشنل کانگریس سب سے بڑی سیاسی جماعت ہے
اس کی بنیاد دسمبر ۱۸۸۵ء میں مسٹر اے۔ او ہیوم کی کوشش سے بمبئی میں ڈالی گئی۔
اس کے صدر اول رمیش چندر بنیرجی ہوئے۔ تمام قوموں اور فرقوں کے افراد اس
میں شریک تھے۔ یہ جماعت تقریباً ۶۰ سال سے ملک کی بیش بہا خدمات انجام
دے رہی ہے۔ ہر ایک صوبہ، ضلع، شہر اور گاؤں میں اس کی شاخیں قائم ہیں۔
اس کے ذریعہ ہندوستان میں سیاسی بیداری کی ایک لہر دوڑ گئی۔ سیاسی ترقی
کے علاوہ اس نے اقتصادی اور سوشل اصلاح بھی کی ہے۔ اس کے سب سے
بڑے لیڈر مہاتما گاندھی ہیں جن کو دنیا کا مشہور سیاست دان تسلیم کیا جا چکا ہے۔
اس کے علاوہ نرم دل والوں نے ایک الگ جماعت لبرل فیڈریشن نام کی بنالی
ہے انڈین نیشنل کانگریس کے علاوہ اور بھی بہت سی سیاسی جماعتیں ہیں جیسے
مسلم لیگ، ہندو مہاسبھا، مجلس احرار، جمعیۃ العلماء ہند وغیرہ۔ ان جماعتوں

کا مقصد فرقہ وارانہ حقوق کی حفاظت کرنا ہے۔ مسلم لیگ کے لیڈر مسٹر محمد علی جناح اور ہندو مہا سبھا کے صدر ڈاکٹر شیاما پرشاد مکرجی ہیں۔

جیسا کہ پیشتر بیان کیا جا چکا ہے سیاسی مسئلوں کو سمجھنا ہر ایک شہری کا فرض ہے ملک کی آزادی، انتظامی اصلاح، سرمایہ کی حفاظت، بیرونی خطروں کا تدارک، اندرونی بد نظمی کی روک تھام وغیرہ جملہ معاملات میں ہر ایک شہری کو اپنی اپنی جماعتوں میں رہتے ہوئے پوری کوشش کرنا چاہیئے۔ خدمت ملک، خدمت قوم، جذبہ قربانی ایک شہری کی لازمی خصوصیات ہیں۔ جو شہری ان صفات سے محروم ہے وہ شہری کہلانے کا مستحق نہیں۔ فرقہ وارانہ جذبات اور تنگ خیالی ملک کی ترقی میں روڑا اٹکاتی ہیں۔ لہذا جن سیاسی جماعتوں کے اندر فرقہ وارانہ تعصب اور تنگ خیالی ہے وہ ہندوستان کو فائدہ پہنچانے کے بجائے الٹا نقصان پہنچا رہی ہیں جس کی تلافی تا قیامت نہ ہو سکے گی۔

خلاصہ (Summary)

(۱) انسان کی قائم کردہ جماعتوں کا ممبر بننا شہری کی مرضی پر منحصر ہے۔

(۲) خاص خاص مصنوعی جماعتیں یہ ہیں (۱) مذہبی جماعتیں (۲) تجارتی اور اقتصادی (۳) علمی اور ادبی (۴) تفریح طبع کی (۵) سوشل (۶) فرقہ وارانہ (۷) سیاسی۔

(۳) مذہبی جماعتیں شہریوں کی روحانی ترقی میں مدد دیتی ہیں۔ مذہبی جماعتوں میں باہمی اختلاف اور تعصب نہ ہونا چاہیئے۔

(۴) اپنی اور زماج کی مالی حالت درست کرنا، صنعت و حرفت کو ترقی دینا اور تجارت کو فروغ دینا اقتصادی جماعتوں کا کام ہے۔ ان جماعتوں میں باہمی

اتحاد اور تعاون ہونا ضروری ہے کیونکہ یہ سب جماعتیں ایک دوسرے سے وابستہ ہوتی ہیں۔

(۵) علمی و ادبی جماعتوں کا کام تعلیمی اصلاح کرنا اور ملکی زبان اور لٹریچر کو ترقی دینا ہے۔

(۶) تفریح طبع اور کھیل کود کی جماعتیں شہریوں کی تندرستی اور تفریح کے لئے ہیں۔ تندرست شہری ہی ملک کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔

(۷) سماج اور سوسائٹی کی خدمت کرنے اور بے کسوں و بے بسوں کی امداد کرنے کے لئے سوشل جماعتیں ہوتی ہیں۔ ریڈ کراس، اسکاؤٹ اور سیوا سمتیاں اسی مقصد سے قائم کی جاتی ہیں۔

(۸) ہندوستانی اور خاص کر ہندو بہت سی قوموں اور فرقوں میں منقسم ہیں۔ اُن کے ہر ایک گروہ اور ہر ایک فرقہ کی اصلاح اور اُن کے مفاد کی حفاظت کے لئے فرقہ وارانہ جماعتوں کی ضرورت ہے لیکن ان جماعتوں کو آپس میں مل جل کر کام کرنا چاہیئے۔ آپس کا بغض و عناد اور فتنہ و فساد سماج کو سخت نقصان پہنچاتا ہے۔

(۹) سیاسی جماعتیں شہریوں کو اُن کے سیاسی حقوق اور فرائض سے واقف کراتی ہیں اس کے بغیر شہری حکومت کے ساتھ اپنا فرض ادا نہیں کر سکتے۔

Questions

1. Name the associations which are man made. How should a citizen behave towards them.
2. What is the duty of a citizen towards (i) The Religious and (ii) Social Association.
3. What are the associations with which a student is connected. What should be his duties towards them.
4. What is the proper place of Communal Associations in the society what are their evil results, and how can they be checked.

(Rights and Duties of Citizen)

(Relation of Rights & Duties) حقوق اور فرائض کا تعلق

حقوق اور فرائض در

مختلف چیزیں نہیں ہیں بلکہ دونوں ایک ہی مفہوم کی دو مختلف شکلیں ہیں۔ ہم ایک کے بغیر دوسرے کو نہیں سمجھ سکتے جس طرح رات کہنے سے دن کا، ماں کہنے سے باپ کا اور لڑکا کہنے سے بیٹے کا خیال خودبخود ذہن میں آجاتا ہے اسی طرح حقوق کا ذکر کرنے سے فرائض کا خیال خودبخود آجاتا ہے۔ اگر کسی بچے کی ماں ہے تو اس کا باپ بھی کوئی نہ کوئی ضرور ہوگا۔ ماں کے لفظ میں ہی باپ کا مطلب موجود ہے۔ ایسے ہی رات کے لفظ میں دن کا مطلب مضمر ہے کیونکہ یہ لازم و ملزوم ہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ کسی لڑکے کی ماں تو ہو لیکن باپ نہ ہو یا بغیر دن کے رات ہو جائے۔ ٹھیک اسی طرح حقوق اور فرائض کا تعلق ہے یہ ممکن نہیں کہ صرف حقوق ہی ہوں اور فرائض کچھ بھی نہ ہوں حقیقت میں یہ دونوں ایک ہی سکے کے دو پہلو ہیں۔ ایک طرف دیکھو تو حقوق اور دوسری طرف دیکھو تو فرائض۔ جو ایک وقت حق ہوتا ہے وہی کسی دوسرے وقت فرض بن جاتا ہے۔ بچوں کا حق ہے کہ وہ اپنے والدین سے اپنی تعلیم و تربیت اور کھانے پینے کا معقول انتظام کرائیں اور والدین کا بھی فرض ہے کہ وہ اس میں کوئی کمی نہ رکھیں۔ لیکن جب بچے بڑے ہو جاتے ہیں اور والدین بوڑھے ہو جاتے ہیں تو اولاد پر وہی ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے جو اس سے پہلے اُن کے والدین پر تھی۔ یعنی اولاد کے حقوق آگے چل کر فرائض بن جاتے ہیں۔ اگر والدین نے اپنے فرائض بخوبی انجام دیئے ہیں تو اُن کے حقوق بھی نہایت عمدگی سے ادا کئے جائیں گے۔ کیونکہ کوئی اولاد ایسی نہیں ہوتی جو اپنے والدین کو آرام نہ پہنچائے جنھوں نے اُن کی تعلیم و تربیت اور پرورش میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ دوسرے اُن کو یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ آگے چل کر ہمیں بھی اسی طرح اپنی اولاد کا دست نگر ہونا ہے جس طرح آج ہمارے

بوڑھے والدین ہمارے دست نگر ہیں۔

انسان کی سوشل زندگی حقوق اور فرائض کے تار و پود سے بنی ہوئی ہے۔ جب تک انسان سوسائٹی میں رہتا ہے حقوق اور فرائض دونوں لازمی ہیں لیکن سوسائٹی سے الگ ہونے پر نہ اُس کے حقوق ہیں اور نہ فرائض (alexander JelKirk) کے سنسان و غیر آباد جزیرے میں نہ تو کوئی حقوق تھے اور نہ فرائض۔ اسی طرح ایک قیدی کے حقوق و فرائض صرف جیل خانہ کی چار دیواری تک محدود ہو جاتے ہیں۔ باہری دنیا سے اس کا کچھ تعلق نہیں رہتا۔

حقوق کی ضرورت (Necessity of Rights)

انسان حقوق اور فرائض کا مجموعہ ہے

انسان کی زندگی حقوق اور فرائض سے اتنی وابستہ ہے کہ الگ نہیں کی جا سکتی جس طرح ہوا کی کثرت کی وجہ سے ہم اس کی صحیح قدر و قیمت نہیں سمجھتے اسی طرح ہم میں سے بہت سے اشخاص کو اپنے حقوق کا بالکل دھیان نہیں رہتا اس لئے کہ وہ بے شمار ہیں۔ اگر کسی دیہاتی یا ناخواندہ آدمی سے معلوم کیا جائے کہ اُس کے کیا حقوق ہیں تو وہ حیرت میں رہ جائے گا۔ جب ملک کے باشندوں کو یہ بھی معلوم نہ ہو کہ اُن کے کیا حقوق ہیں تو انھیں اُن کی ضرورت کا احساس ہی کیسے ہو سکتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ کوئی سماج، کوئی سوسائٹی حقوق کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی۔ جس وقت تک انسان سوشل زندگی کا فرد ہے اُس وقت تک اسے اپنے حقوق کی حفاظت کرنا پڑے گی۔

اب سوال یہ ہے کہ آیا سب آدمیوں کو برابر حقوق ملنے چاہئیں یا کم و

بنیں۔ اگر سب آدمیوں کو مساوی حقوق مل جائیں تو بڑی ناانصافی ہو۔ ہر شخص
کو اتنے حقوق ملنے چاہئیں جن کی وہ حفاظت کر سکتا ہے۔ اگر کسی کمزور اور
بزدل آدمی کو ہتھیار رکھنے کا حق دیدیا جائے تو اسے اُن سے فائدے
کے بجائے نقصان پہنچے گا کیونکہ کوئی زبردست شخص اُن ہتھیاروں کو چھین کر
اسی کے خلاف استعمال کر سکتا ہے۔ ہر شخص جب اور جس وقت جس حق
کا اہل ہو اسے اسی وقت وہ حق ملنا چاہئے۔ ہندوستان کو جو سیاسی حقوق
حاصل ہوئے ہیں وہ ایک دم حاصل نہیں ہو گئے بلکہ جیسے جیسے ہندوستانی ان
کے اہل ہوتے گئے انھیں مزید حقوق ملتے گئے۔ ایک طاقتور شخص اپنے حقوق
اور فرائض کو عمدگی سے استعمال کر کے سماج کے لئے بہتری کا باعث ہوتا ہے
جبکہ ایک کمزور شخص اپنے رہے سہے حقوق سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ حقوق میں
ایک عجیب طاقت ہوتی ہے اور وہ لوگ جنھیں حقوق حاصل ہیں دنیا میں نام
پیدا کر جاتے ہیں۔

حقوق حاصل کرنے کے تین طریقے ہیں :-

(۱) قابل اور لائق اشخاص کو حقوق خود بخود مل جاتے ہیں جس طرح ایک
باپ بیٹے کے بڑے اور لائق ہونے پر اُسے بہت کچھ حقوق اور اختیارات دیدیتا
ہے اسی طرح حکومت لائق اشخاص کو خود بخود حقوق دیتی ہے

(۲) برابر اور مسلسل مطالبہ کرتے رہنے سے بھی حکومت مجبور ہو کر کچھ حقوق دیدیتی
ہے ہندوستان کو سیاسی حقوق اسی طرح ملے ہیں

(۳) حقوق زبردستی بھی حاصل کئے جاتے ہیں۔ امریکہ نے برطانیہ سے زبردستی
حقوق حاصل کئے تھے لیکن صرف طاقتور ممالک ہی ایسا کر سکتے ہیں۔ جو شخص دوسرے
کو حقوق دیتا ہے وہ خود کمزور نہیں ہو جاتا۔ اگر بادشاہ معظم نے ججوں کو عدل کا اختیار

دیدیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ملک معظم کو کچھ اختیارات نہ رہے اگر اُسے
حقوق دینے کا اختیار ہے تو اُسے واپس لینے کا بھی حق حاصل ہے حکومت کے
وقار میں حقوق دینے سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ لیکن جو حقوق زبردستی حاصل کئے گئے
ہیں انھیں طاقت سے ہی واپس لیا جاسکتا ہے۔ کچھ حقوق قانون کے ذریعہ حاصل
ہوتے ہیں لیکن وہ اسی وقت تک رہتے ہیں جب تک قانون مروج ہے۔

حقوق کی قسمیں

حقوق سیکڑوں قسم کے ہوتے ہیں لیکن ان کے دو حصے کئے جاسکتے ہیں۔ ۱۔ سماجک یا سوشل حقوق ۲ سیاسی حقوق

سوشل حقوق

زندہ رہنے کا حق (Right to Live)

حکومت کا سب سے پہلا فرض ہے کہ وہ ہر ایک شخص کی جان کی حفاظت
کی ذمہ دار ہو۔ اگر کوئی حکومت اس فرض کے ادا کرنے میں قاصر ہے تو اسے
قائم رہنے کا حق نہیں۔ جان کی حفاظت کے بغیر تمام حقوق بیکار اور بے معنی ہیں۔
اگر کسی شخص کو ہر وقت جان کا خطرہ لگا رہتا ہے تو وہ کوئی کام نہیں کر سکتا۔ اس
کی پوشیدہ قابلیتوں کا انکشاف اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب کہ وہ بے خوف
و خطر ہو کر میدان عمل میں قدم رکھے۔ کوئی شخص یا کوئی جماعت کسی کی جان نہیں
لے سکتے۔ ایسا کرنے پر حکومت سزا دیتی ہے۔ درحقیقت حکومت اور شخص دونوں
جان کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔ اور ان دونوں میں سے کوئی بھی اس ذمہ داری
میں لاپرواہی کرنے کی بنا پر سزا کا مستوجب ہو سکتا ہے۔
اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ایک شخص خود بھی اپنی جان کی حفاظت کا

ذمہ دار ہے تو کیا اُسے خودکشی کا بھی حق حاصل ہے۔ اُسے خودکشی کا حق حاصل نہیں ہے اس لئے کہ اُس کی زندگی اُس کے لئے نہیں بلکہ سوسائٹی اور سماج کے لئے ہے۔ سماج ہی نے اُسے بنایا ہے اور سماج کے لئے ہی اُس کی زندگی وقف ہونی چاہیئے۔ لہٰذا خودکشی کی کوشش کرنے والا سزا کا مستوجب ہے۔ اگر وہ خطرناک مرض میں مبتلا ہو جس سے چھٹکارا پانے کی مطلق اُمید نہ رہی ہو یا اُس کی زندگی سوسائٹی کے لئے بیکار ہو گئی ہو اور اُسے پورا یقین ہو کہ اب اُس کی زندگی سماج کے لئے ایک بار ہو گئی ہے تو وہ خودکشی کر سکتا ہے۔ لیکن جب تک سانس تب تک آس کے بموجب اُس کا یہ فعل حکومت کی نظر میں جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ زندہ رہنے کے حق کے ساتھ ہمارا یہ بھی فرض ہے کہ ہم دوسرے کو بھی زندہ رہنے دیں۔ زندہ رہو اور زندہ رہنے دو (Live and Let Live) کے اصول کو کام میں لانا چاہیئے۔

حق جائیداد (Right to property)

زندگی کے لئے روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ بغیر کافی روپیہ کے آرام سے زندگی بسر نہیں کی جا سکتی۔ اس لئے ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ وہ جائز طریقوں سے زیادہ سے زیادہ روپیہ پیدا کرنے کی کوشش کرے اور حکومت کا بھی فرض ہے کہ وہ اس کی مدد کرے۔ ہر شہری کو اپنی جائیداد یا مال و متاع پر پورا پورا حق حاصل ہے۔ یہ نہایت نامناسب ہے کہ روپیہ کوئی پیدا کرے اور اس کے استعمال کا حق کسی دوسرے کو حاصل ہو۔ روپیہ پیدا کرنے والے کی مرضی کے خلاف ایک پیسہ بھی خرچ نہیں کیا جانا چاہیئے۔ اس کے علاوہ حکومت کا فرض ہے کہ وہ ہر شخص کو دولت پیدا کرنے کے مساوی مواقع دے۔

روپیہ پیسہ کا مالک ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اُسے جس طرح اور جس
قدر چاہے خرچ کر سکتا ہے۔ جیسا کہ پیشتر بیان کیا جا چکا ہے کہ انسان سماج
کا بنایا ہوا ہے اور سماج کا نہ صرف اُس شخص پر ہی حق ہے بلکہ اُس کے
مال و متاع پر بھی۔ لہذا کوئی شخص اپنی دولت کو اس طریقے سے اور اس قدر
خرچ نہیں کر سکتا جس سے سماج کو نقصان پہنچے۔ اگر کوئی شخص اپنے روپیہ کا ناجائز
استعمال کرتا ہے تو حکومت کا فرض ہے کہ وہ اُسے مناسب سزا دے۔ اگر کوئی
شخص شراب نوشی یا قمار بازی میں اپنی دولت برباد کرتا ہے تو وہ سماج کو
اپنی دولت سے مناسب فائدہ اٹھانے کا موقع نہیں دیتا اس لئے حکومت اس
پر پابندی لگا سکتی ہے۔ عام طور سے کسی شخص کے ذاتی مال و متاع میں حکومت
بہت کم مداخلت کرتی ہے اور اسے ایسا کرنا بھی چاہیئے۔

دولت پیدا کرنے کے حق کے ساتھ ساتھ ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ روپیہ
پیدا کرنے کا کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کرے جو سماج کے لئے مضر ہو۔ ناجائز طریق
سے روپیہ پیدا کرنا جرم ہے۔ چوری کرنا۔ ڈاکہ ڈالنا۔ جوا کھیلنا اور دھوکہ
دینا وغیرہ روپیہ پیدا کرنے کے ناجائز طریقے ہیں۔

خط و کتابت اور آمد و رفت کا حق (Right of means of Communication)

ہر شخص کو آمد و رفت اور خط و کتابت کی آزادی ہونی چاہیئے۔ حکومت کو ان پر
خواہ مخواہ کوئی پابندی نہیں لگانی چاہیئے بلکہ جہاں تک ہو سکے سہولتیں بہم
پہنچانی چاہئیں۔ مخصوص صورت حالات میں اس پر پابندی لگائی جا سکتی ہے۔
جب حکومت کو خاص واقعات و حالات کی بناء پر اپنے لئے آمد و رفت کے
ذرائع کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے تو وہ عوام کی آمد و رفت پر پابندیاں لگا دیتی

ہے جیسی دوران جنگ میں کی پابندی لگادی گئی تھی۔ درحقیقت اس قسم کی پابندیاں مناسب ہوتی ہیں۔ چور، ڈاکو وغیرہ آمد و رفت کی آزادی سے محروم ہوتے ہیں۔ اُن کی نقل و حرکت پر پابندی ہوتی ہے۔ ہر ایک شہری کا فرض ہے کہ وہ آمد و رفت کی آزادی کا ناجائز استعمال نہ کرے۔ ریل گاڑیوں، موٹروں اور دیگر سواریوں میں اس طرح سفر نہ کریں جس سے دوسرے لوگوں کو تکلیف پہنچے۔

تحریر اور تقریر کی آزادی (Freedom of speech and writing)

خیال اور قدرتی طور پر آزاد ہوتا ہے۔ اس پر پابندی لگانا مناسب نہیں۔ خیالات کی آزادی سے حق اور باطل، سچ اور جھوٹ میں امتیاز ہوتا ہے۔ اظہار خیال کی آزادی انسان کا سب سے اہم حق ہے۔ اظہار خیال کی آزادی کے بغیر انسانی قابلیتوں کا نشو و نما اور سوسائٹی کی ترقی ناممکن ہے۔ انسان میں چونکہ عقل ہے اور غور کرنے کی قابلیت ہے اس لیے اس کے دماغ میں مختلف قسم کے خیالات پیدا ہوتے ہیں جن کو وہ زبان یا قلم کے ذریعہ ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ اگر تحریر یا تقریر کے ذریعہ اظہار خیال کی آزادی نہ ہو تو اس سے دو نقصان ہیں، ایک تو خیالات کے ظاہر نہ کر سکنے کی وجہ سے اس کے دماغ اور دل پر ایک قسم کا بار سا رہے گا اور اسے کوفت رہے گی۔ دوسرے اُن خیالات سے سوسائٹی کو فائدہ نہ پہنچ سکے گا۔ جملہ علوم و فنون، آرٹ اور سائنس، فلسفہ اور حکمت میں جو ترقی آج نظر آرہی ہے وہ اظہار خیال کی آزادی کی مرہون منت ہے۔ اگر بڑے بڑے علماء اور حکماء کو اظہار خیال کی آزادی نہ ہوتی تو تہذیب معراج کمال تک نہ پہنچ سکتی۔

جس ملک میں خیالات کی آزادی حاصل نہیں ہوتی اور جہاں تحریر و تقریر پر

پابندیاں عائد ہوتی ہیں۔ وہ ملک کبھی ترقی نہیں کر سکتا۔ تقریر کی آزادی حکومت
کے لیے آئینہ کے مانند ہے۔ حکومت جیسا عمل کرتی ہے ویسا ہی اسے نظر آتا
ہے اگر تقریر و تحریر کی آزادی حاصل نہیں ہے تو حکومت کی خامیاں اور کمزوریاں
عوام اور حکومت کے سامنے نہیں آسکتیں اور اس صورت میں کسی قسم کی بہتری
کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ پریس یا اخبارات کی آزادی حکومت کے لئے مفید ہوتی
ہے۔ پریس حکومت کے لئے ایک ناصح مشفق اور مشیر کا فرض انجام دیتا ہے۔
تحریر یا تقریر کی آزادی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم اپنی زبان یا اپنے قلم کو
بے لگام چھوڑ دیں۔ تحریر و تقریر میں اس بات کا خاص طور سے خیال رکھنا چاہئے
کہ دوسرے کے جذبات و احساسات کو اس سے کو اس سے کوئی ٹھیس نہ پہنچے
ہماری تحریر و تقریر میں غیر ضروری نکتہ چینی، عیب جوئی اور سختی نہ ہونی چاہئے۔
اس سے آپس میں نااتفاقی اور دشمنی پیدا ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ تحریر و
تقریر میں مخرب اخلاق خیالات سے بھی پرہیز لازم ہے۔

مذہبی حقوق (Religious Rights) مذہب ہمیشہ سے
انسانی زندگی کا جزو رہا ہے۔ بغیر مذہب کے انسانی زندگی
بے کیف اور روکھی پھیکی رہتی ہے۔ ہر شخص کو مذہبی آزادی حاصل ہونی چاہئے
مذہبی معاملات میں حکومت کی طرف سے کسی قسم کی پابندی عائد کرنا ناانصافی
ہے زمانہ وسطیٰ میں لوگوں کو مذہبی آزادی نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ میں
زیادہ تر مذہبی لڑائیاں ہوئیں اور مذہب کے لئے بڑی بڑی خوں ریزیاں کی گئیں۔
آج کل سائنس کا زمانہ ہے۔ مذہبی جوش اور دیوانگی بہت کم ہو گئی ہے۔ آج کل
ہر شخص کو مذہبی آزادی حاصل ہے۔ صرف یہودیوں پر کچھ پابندیاں ہیں جن کی
وجوہات مذہبی نہیں بلکہ سیاسی ہیں۔ مذہبی آزادی حاصل تو ہے لیکن بعض اوقات

اس کا غلط استعمال ہو جاتا ہے۔ آج کل سیاست میں بھی مذہب شامل ہو گیا ہے جس کی وجہ سے سیاسی فضا خراب ہوتی جاتی ہے۔ مذہبی خیالات کے اظہار کی مکمل آزادی حاصل ہونیکا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم ایسے افعال یا کلمات سے کسی دوسرے مذہب کی توہین کریں یا کسی دوسرے مذہبی پیشوا کی شان میں ہتک آمیز الفاظ استعمال کریں۔ ہر شخص کو دوسرے مذاہب کا کافی خیال رکھنا چاہیئے۔ اگر ہم دوسرے مذہب کے پیشواؤں کی عزت کریں گے تو ہمارے مذہبی پیشواؤں کی بھی عزت کی جائیگی۔

ملنے جلنے اور جماعتوں میں حصّہ لینے کی آزادی

انسان سماجک یعنی سوشل مخلوق ہے۔ اس لئے اسے سماج، سبھاؤں اور سوسائٹیوں میں حصّہ لینے کا پورا حق ہے۔ انسان کا میلان طبع مختلف ہوتا ہے یہی وجہ ہے ہر انسان اپنے خیال اور میلان طبع کے مطابق سوسائٹی میں شریک ہونے کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ ان سوسائٹیوں کا ممبر بن کر وہ اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے اور دوسروں کے خیالات سے فائدہ اٹھاتا ہے یہ سماج اور سوسائٹی ہی اس کی دماغی نشو ونما کی اکائیاں ہیں۔ یہیں پر اسے دماغی سکون اور دلی راحت نصیب ہوتی ہے۔ حکومت کا فرض ہے کہ کسی انسان کو اس کے اس حق سے محروم نہ کرے اور اسے اس کی طبیعت کے موافق سبھا اور سوسائٹیوں میں شرکت کرنے کی آزادی دے۔ ہمارا بھی فرض ہے کہ ہم کوئی ایسی سبھا یا سوسائٹی قائم نہ کریں جس سے حکومت یا سماج کو نقصان پہنچے۔ چوروں اور ڈاکوؤں کے گروہ میں شامل ہونا حکومت اور سماج دونوں کے لئے نقصان دہ ہے۔ ہمیں کسی ایسی پارٹی یا

سوسائٹی میں شریک نہیں ہونا چاہئے جو حکومت یا ملک سے بغاوت کرتی ہو۔ اگر حکومت میں کچھ خرابیاں ہوں تو ان کو پُرسکون طریقے سے حکومت کے سامنے پیش کرنا چاہئے اور ان کے دور کرنے کی کوشش کرنی چاہئے اگر خامیاں لا علاج ہوں تو نہایت پرسکون طریقہ اور عدم تشدد کے ذریعہ حکومت کی نئی تشکیل کی جا سکتی ہے۔

حق آزادی (Liberty) آزادی انسان کا پیدائشی حق ہے اس پر حکومت کی طرف سے عائد کی ہوئی کوئی بھی پابندی ناجائز اور غلط ہے۔ آزادی خداداد نعمت ہے۔ انسانی مداخلت ظلم ہی نہیں بلکہ خدا کی بارگاہ میں گناہ عظیم ہے۔ ہمارے لئے خیال، قول اور فعل کی مکمل آزادی کی ضرورت ہے۔ ہمارے مناسب اور جائز حقوق پر پابندی لگانا غیر انسانی بلکہ شیطانی فعل ہے۔ زندگی آزادی کا نام ہے غلامی کی زندگی موت سے بدتر ہے۔ آزادی سے محروم ہو جانے پر انسانی زندگی حیوانی ہو جاتی ہے۔ غلام کا کوئی مذہب نہیں۔ کوئی حق نہیں ہوتا۔ ہر انسان کا فرض ہے کہ وہ غلامی کی زنجیروں کی جلد از جلد توڑ دے۔ غلام رکھنا تو ظلم ہے ہی مگر غلام رہنا بھی ایک گناہ ہے۔ کسی انسان کو اپنے ہم جنس کو غلام بنانے کا حق نہیں۔ انسان کو چھوڑ کر خدا کی تمام مخلوق آزادی کا پورا پورا فائدہ اٹھاتی ہے۔ غلامی کی رسم صرف بنی نوع انسان میں ہی پائی جاتی ہے جسے اشرف المخلوقات ہونے کا فخر ہے۔

مساوات و برابری (Equality) سب انسان ایک خدا کی مخلوق ہیں۔ وہ ہم سب کا خالق اور مالک

ہے اس کی نظر میں انسان برابر ہیں۔ شاہ وگدا، امیر وفقیر خدا کے دربار میں سب یکساں ہیں۔ سوسائٹی میں امیر غریب، طاقتور، کمزور، تندرست بیمار غرض ہر طرح کے افراد ہوتے ہیں۔ ان میں چھوٹے بڑے کا امتیاز پیدا کر دینے کی ذمہ داری سماج کی ہے۔ خدا کے یہاں سے تو سب ایک ننھے ہی آتے تھے پیدا ہوتے وقت بچہ خواہ امیر کا ہو یا غریب کا یکساں ہوتا ہے۔

مساوات اور یکسانیت سے ہمارا یہ مطلب نہیں ہے کہ سب انسان یکساں رنگ روپ، قد وقامت اور صورت شکل کے ہوں۔ سب انسان مالی حیثیت میں بھی برابر نہیں ہو سکتے۔ امیری غریبی دونوں قائم رہیں گی علم وعقل میں بھی برابری اور یکسانیت نہیں رہ سکتی۔ اس طرح کا امتیاز ہمیشہ سے رہا ہے اور ہمیشہ تک رہے گا۔ اگر دنیا کے تمام انسانوں میں برابر برابر زر تقسیم کر دیا جائے تو بھی کچھ عرصے کے بعد کچھ لوگ امیر بن جائیں گے اور کچھ غریب رہ جائیں گے۔ فضول خرچ، کاہل، وجھ دار نا عاقبت اندیش لوگ جلد اپنی دولت کو برباد کر دیں گے اور اچھا کفایت شعار اور دور اندیش اشخاص دولتمند بن جائیں گے۔ یہی صورت علم وفضل میں بھی ہے۔ ایک کلاس میں بہت سے لڑکے تعلیم حاصل کرتے ہیں ایک ہی مدرس ان کو پڑھاتا ہے اور سب کے ساتھ یکساں توجہ صرف کرتا ہے لیکن پھر بھی ان میں سے بعض نہایت شاندار طریقے سے امتحان میں کامیاب ہوتے اور بعض بہت بری طرح فیل ہو جاتے ہیں۔ یہ سب کچھ واقعات وحالات کے علاوہ ذہنی ذاتی کوشش اور قابلیت پر منحصر ہے۔

مساوات اور یکسانیت سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ سب لوگوں کو:-

(۱) Equality before law (۲) مساوی مواقع و ذرائع۔

(Equality of opportunity) حاصل ہوں۔ غریب اور امیر قانون کی نظر میں سب برابر سمجھے جانے چاہئیں۔ ہر شخص کو اپنی قابلیتوں کے انکشاف کے لئے یکساں مواقع ملنے چاہئیں تاکہ کسی کو یہ شکایت نہ رہے کہ اُسے اپنی پوشیدہ قابلیتوں کے اظہار کا پورا موقع نصیب نہ ہوا۔

حقِ تعلیم (Rights of Education) انسان کے حقوق میں تعلیم حاصل کرنے کا حق مخصوص اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ بغیر تعلیم کے انسان کے جملہ حقوق بیکار ہو جاتے ہیں اور ان سے مناسب فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔ تعلیم کی ضرورت کھانے اور کپڑے سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ ناخواندہ شخص اپنے حقوق و فرائض سے بالکل ناواقف ہونے کی وجہ سے اچھا شہری نہیں بن سکتا۔ لہذا حکومت کا فرض ہے کہ وہ اپنی رعایا کے لئے معقول تعلیم کا انتظام کرے۔ تعلیم میں امیر و غریب کا امتیاز نہ ہونا چاہیئے۔ تعلیم مفت اور لازمی ہونی چاہیئے۔ اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ تعلیم وقت اور زمانہ کی ضرورت کے مطابق ہو اور عملی زندگی میں مفید ثابت ہو سکے۔ صرف کتابی تعلیم انسانی زندگی کی ضروریات کو پورا نہیں کر سکتی۔ دماغی نشو و نما کے ساتھ ساتھ جسمانی، روحانی نشو و نما بھی ہونا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ تعلیم کے دوران میں اخلاق و عادات اور چال چلن کی درستی کا بھی مناسب خیال رکھنا چاہیئے۔

کنبہ یا خاندان کے متعلق حقوق: (Rights of family life) ہر شخص کو آزادی ہے کہ وہ اپنی خانگی زندگی اپنی حسبِ منشا بسر کرے۔ کوئی بھی شخص سوسائٹی کے قوانین کی خلاف ورزی نہ کرتے ہوئے اپنے ماں باپ، بھائی بہن اور بیوی بچوں کے ساتھ جس طرح چاہے زندگی بسر کر سکتا ہے، وہ اپنے خاندان کی جائداد اور روپیہ

پیسہ کو آزادی سے خرچ کرسکتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کسی شخص
کو تجرد کی زندگی (Bachelor Life) بسر کرنے اور کنبے سے الگ
رہنے کا حق بھی حاصل ہے یا نہیں۔ عام طور سے کسی ملک میں اس کی پابندی
نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص شادی نہ کرنا چاہے تو وہ تجرد کی زندگی بسر کرسکتا
ہے البتہ ان ممالک میں جہاں کی آبادی بہت کم ہے یا جنگ کی وجہ سے کم
ہوگئی ہے تجرد کی زندگی بسر کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

تہذیب اور کلچر کے متعلق حقوق (Cultural Rights) کسی ملک کی زبان، علم و ادب
اور تہذیب اس کے بیش قیمت خزانے ہیں۔ ان کے بغیر ترقی یافتہ سماج تہذیب کے
دائرہ میں نہیں آتا۔ ان کو ترقی دینا ہر ایک شہری کا فرض ہے۔ لیکن یہ اسی
صورت میں ممکن ہے جب کہ لوگوں کو سکون اور اطمینان کے ساتھ ملکی زبان
اور ملکی علم و ادب کو ترقی دینے کا موقع ملے۔ علماء و فضلاء کو پرسکون زندگی کی
ضرورت ہے تاکہ وہ اپنے قلم کے ذریعہ ملک کے علمی خزانہ کو ترقی دیں۔ آریہ
رشی منیوں اور مسلمان علماء نے مختلف علوم و فنون پر جو بیش قیمت کتابیں لکھیں
وہ سب اس بات کی شاہد ہیں کہ انھیں نہایت پرسکون لمحات میں لکھا گیا ہے۔
یہ رشی منی اور علماء و فضلاء پرسکون آشرموں اور حجروں میں زندگی بسر کرتے
تھے جہاں بستی کے شور و غل اور حکومت کی دست اندازی کا مطلق دخل نہ
تھا۔ یونانی فلاسفروں اور حکماء نے جو نادر ذخیرہ کتب چھوڑا وہ تا ابد ان کی
یادگار رہے گا۔ یہ سب پرامن زندگی کے کارنامے تھے۔ جب وہاں بدنظمی
پھیلی تو یہ حکماء یونان کی سرزمین کو خیرباد کہہ کر کہیں دوسرے مقامات پر چلے
گئے اور یونان کی ترقی پذیر تہذیب و ثقافت رک گئی۔ اس لئے ہر شخص کو اس کا

پورا حق حاصل ہونا چاہیئے کہ وہ اپنی تہذیب کے مطابق سکون کے ساتھ علمی وادبی یا معاشرتی خدمت کر سکے۔

سیاسی حقوق Political Rights انتظامی معاملات سے تعلق رکھنے والے حقوق سیاسی حقوق کہلاتے ہیں۔ یہ حقوق حکومت کی طرف سے شہریوں کو دیئے جاتے ہیں۔ سماج میں ان حقوق کی خاص اہمیت ہوتی ہے کیونکہ جن لوگوں کو یہ حقوق حاصل ہوتے ہیں سماج میں ان کی کافی توقیر ہوتی ہے اور یہی لوگ ملکی اور سماجی ترقی کے ذمہ دار قرار دیئے جاتے ہیں۔

زمانہ قدیم میں بھی ان لوگوں کو جو انتظامی معاملات میں حصہ لیتے تھے حکومت کی طرف سے اس قسم کے اختیارات حاصل ہوتے تھے۔ یہ حقوق حکومت کے عہدیداران کو ان کے عہدہ یا منصب کے مطابق ملا کرتے تھے وزیر سپہ سالار میر عدل ناظم یا صوبیدار وغیرہ کو مختلف قسم کے حقوق واختیارات حاصل ہوتے تھے یہ حقوق اسی وقت تک قائم رہتے تھے جب تک کہ وہ عہدیدار اپنے منصب پر برقرار رہتا ہے۔ عہدہ سے الگ ہو جاتے ہی تمام حقوق ختم ہوجاتے تھے۔ گاؤں کے پنچ سرپنچ مکھیا۔ شہر کے حاکموں اور رئیسوں کو بھی مختلف حقوق حاصل ہوتے تھے۔ آج کل جمہوریت کے زمانہ میں جبکہ حکومت کی باگ ڈور عوام کے نمائندوں کے ہاتھ میں آگئی ہے عوام کے حقوق بہت بڑھ گئے ہیں۔ یہ حقوق دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو ملکی انتظام کے لئے مختلف مجالس قانون ساز کے ممبروں کے انتخاب اور عہدہ قبول کرنے کا حق دوسرے ہر ایک نمائندہ کے انتخاب میں ووٹ دینے کا حق۔ دیہات کی پنچایت شہر کی میونسپلٹی، ضلع بورڈ اور صوبائی و مرکزی کونسلوں کے لیئے ہر ایک شہری

کو ووٹ دینے کا حق حاصل ہونا چاہئے۔ دوسرے انھیں اپنی قابلیت اور اہلیت کے مطابق ممبر بننے اور عہدہ قبول کرنے کا حق بھی حاصل ہونا چاہئے اس لئے سیاسی حقوق تین قسم کے ہوتے ہیں۔
(۱) ووٹ دینے کا حق (۲) ممبر بننے کا حق (۳) سرکاری عہدہ حاصل کرنے کا حق۔

حقوق کی حدود (Limitation of Rights) سماج یا سوسائٹی میں شہریوں کے حقوق محدود ہیں۔ اپنے حقوق کو ہم اس حد تک استعمال کر سکتے ہیں جہاں تک کہ دوسرے کے حقوق کو نقصان نہ پہونچے۔ اگر ایسی حد قائم نہ کی جائے تو سوسائٹی میں بڑی بد نظمی اور گڑ بڑ پیدا ہو جائے۔ دولت مند اور طاقتور لوگ اپنے حقوق کے ناجائز استعمال سے غریبوں اور کمزوروں کو کچل ڈالیں۔ فرقہ وارانہ جماعتیں اپنی ترقی اور تبلیغ کے لئے دوسری جماعتوں کی آزادی کو چھین لیں۔
حقوق کے جائز استعمال سے سماج میں امن و امان قائم رہتا ہے اور حقوق کے ناجائز استعمال سے انسانی سوسائٹی نمونہ دوزخ بن جاتی ہے۔ آج کل لاکھوں اچھوت شہروں اور دیہات میں افسوسناک زندگی بسر کر رہے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ تعلیم یافتہ اور طاقتور اقوام نے ان بیچاروں کے حقوق پر زبردستی قبضہ کر لیا ہے۔ نہ انہیں کنوؤں پر چڑھنے کا حق ہے اور نہ مندر میں جانے کا۔ میلوں تماشوں اور پبلک جلسوں میں یہ لوگ سب کے برابر نہیں بیٹھ سکتے۔ یہ صریح ظلم اور ناانصافی ہے۔ سماج میں خاص حقوق (Chief Rights) سب کے یکساں ہیں۔ اُن میں کسی طرح کی تفریق نہ ہونی چاہئے۔ ہندوستان میں معاشرتی ترقی اسی صورت

میں ہو سکتی ہے جب کہ تمام شہری اپنے اپنے حقوق کو مناسب حدود کے اندر استعمال کریں۔ حکومت کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ عوام کے مخصوص حقوق کی حفاظت کرے۔ آیندہ باب میں شہریوں کے فرائض بیان کئے جائیں گے۔

خلاصہ (Summary)

(۱) سماج میں شہری کے حقوق اور فرائض دونوں ہوتے ہیں۔ ذریعہ اُسے اپنے منزل مقصود تک پہونچنے میں مدد ملتی ہے۔ فرائض کے ذریعے وہ انسانی زندگی کے نصب العین تک پہنچتا ہے اور دوسروں کو وہاں تک پہنچنے میں مدد دیتا ہے۔

(۲) حقوق اور فرائض کا گہرا تعلق ہے۔ یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں یعنی ایک کا وجود دوسرے پر منحصر ہے۔

(۳) حقوق دو قسم کے ہیں:۔ معاشرتی یا سماجی اور سیاسی۔

(۴) خاص خاص سماجی حقوق یہ ہیں:۔

(ا) جان و مال کا حق (ب) کنبہ کے متعلق حق (ج) مذہبی حق۔
(د) زبان، ادب اور تہذیب کے متعلق حق۔

(۵) خاص خاص سیاسی اختیارات یہ ہیں:۔

(ا) ووٹ دینے کا حق (ب) انتخاب کرنے اور ممبر بننے کا حق۔
(ج) سرکاری عہدہ حاصل کرنیکا حق (د) تحریر و تقریر کی آزادی۔
(ہ) قانون اور عدل میں برابری کا حق۔

(۶) حقوق کو جائز حدود کے اندر ہی استعمال کرنا چاہیئے۔

Questions

1. How are rights and duties closely related to each other?
2. Is it necessary for a citizen to have rights. If so, why?
3. What are the essential social rights? Why should the state guarantee them to be a citizen?
4. What political rights does a modern citizen enjoy?
5. Is a citizen free to enjoy his rights in any way he likes?
6 Indicate by yes or No whether the following statements mean the proper use of one's rights:–

(i) A citizen tears away pictures from the magazines of a public library.

(ii) A magistrate accepts a sum of Rs 100/- to decide a case in favour of a particular party.

باب ۵

انسان کے فرائض

فرائض (Duties) فرض کی ادائیگی ہی زندگی ہے۔ کاہلی کی زندگی زندگی نہیں موت ہے۔ جو شخص دنیا میں رہ کر اپنے فرائض ادا نہیں کرتا وہ سماج کے لئے ایک بارگراں ہے۔ جس شخص کو اپنے فرائض کا احساس نہیں وہ حیوان کی مانند ہے۔ اپنے فرائض سے انسان کو کبھی غافل نہ ہونا چاہئیے۔ فرض کی ادائیگی میں پہلو تہی کرنا معاشرتی قوانین کی رُو سے ایک گناہ ہے۔

فرض انسانی زندگی کا زیور ہے۔ ادائے فرض کے بغیر حقوق کا مطالبہ بے معنی اور لغو ہے۔ تمام کائنات فرائض کی رشتہ سے بندھا ہوا ہے۔ اگر تمام ثوابت و سیارے اپنے فرض کی ادائیگی سے ذرا دیر کے لئے بھی غافل ہو جائیں تو نظام عالم درہم برہم ہو جائے۔ اگر انسان اپنے فرائض کو بھول جائے تو اس کے حقوق ابھی ختم ہو جائیں پھر ہمیں ایسی دنیا میں رہنا پڑے گا جہاں نہ کوئی فرض ہے اور نہ کوئی حق۔ ایسی زندگی بالکل بے کیف اور حیوانی ہوگی اس لئے انسانی زندگی کو پُر کیف اور پُر مسرت بنانے کے لئے ضروری ہے کہ ہر فرد سوسائٹی اپنے حقوق و فرائض کا مناسب خیال رکھے۔

ایسی زندگی ناممکن ہے جس میں صرف حقوق ہی ہوں اور فرائض بالکل

نہ ہوں۔ بغیر فرائض کے زندگی نکمی ہو جاتی ہے۔ دنیا میں جتنے بھی بڑے بڑے آدمی ہوئے ہیں اُن سب نے اپنے فرض کی ادائیگی کو مقدم سمجھا۔ فرض کی ادائیگی کی بدولت آج یہ دنیا مہذب اور ترقی یافتہ نظر آرہی ہے۔ اگر فرض کی ادائیگی میں غفلت برتی جاتی تو انسانی زندگی وہی ہوتی جواب سے ہزاروں سال پہلے تھی۔

شہری کے فرائض

انسان کے فرض لاتعداد ہیں اور وہ سب آپس میں اس قدر چپیاں ہیں کہ اُن کو الگ الگ نہیں کیا جا سکتا جس طرح زنجیر کا ایک سرا پکڑ کر کھینچنے سے پوری زنجیر کھنچی چلی آتی ہے اسی طرح ایک فرض کے ادا کرنے میں دوسرے فرائض بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ تاہم آسانی کے خیال سے فرائض کے دو حصے کئے جا سکتے ہیں۔ ایک تو وہ فرائض جن کا ادا کرنا ہمارے لئے لازمی ہے اور جن کے ادا نہ کرنے میں حکومت ہم کو سزا دے گی۔ دوسرے وہ فرائض جو ضروری تو ہیں لیکن اُن کا ادا کرنا یا نہ کرنا ہماری مرضی پر منحصر ہے۔ اگر ہم ان فرائض کو ادا نہ کریں تو حکومت ہمیں کوئی سزا نہ دے گی۔ سماج یا سوسائٹی البتہ برا خیال ضرور رکھے گی۔ پہلی قسم کے فرائض میں حکومت کو ٹیکس دینا، قانون کی پابندی کرنا وغیرہ شامل ہیں۔ دوسری قسم کے فرائض میں اپنی، اپنے کنبہ و خاندان کی اور اپنے ملک کی خدمت اور اس کی ترقی کے لئے کوشش کرنا وغیرہ ہیں۔

انسان کے کچھ فرائض اپنی ذات کے لئے ہوتے ہیں جن کے ذریعہ وہ دماغی، جسمانی اور روحانی ترقی کر سکتا ہے۔ اس کے بعد اس کے کچھ فرائض اپنے کنبہ اور خاندان کے لئے ہوتے ہیں وہ کنبہ یا خاندان کے تمام افراد کے خورد نوش، لباس و پوشاک اور تعلیم و تربیت کا انتظام کرتا ہے۔ کنبہ کے بعد انسان

کے کچھ فرائض اپنے ملک کے لئے ہیں۔ ملک کی ترقی اور بہبودی میں تن من دھن سب کچھ وقف کرنا چاہیئے۔ وہ سرزمین وطن میں پیدا ہوا ہے وطن کی مٹی سے اُس کا جسم بنا ہے۔ اسی کی آغوش میں پرورش پائی ہے۔ اسی کی نعمتوں کا لطف اٹھایا ہے۔ اس لئے وہ ملک کا مقروض ہے۔ اس قرض سے سبکدوش ہونے کے لئے اُسے سب کچھ قربان کر دینا چاہیئے۔ اپنے ملک اور وطن کے بعد انسان کا فرض تمام دنیا کے لئے ہے۔ دنیا انسان کی ایک مجموعی شکل ہے۔ ہر انسان کو دنیا کے تمام انسانوں سے برادرانہ ہمدردی رکھنی چاہیئے۔ تمام انسانوں کا خالق ایک ہے، سب کے آباو اجداد کسی وقت میں ایک ہی کنبہ کے افراد تھے۔ ایسی صورت میں ہماری ہمدردی اور محبت دنیا کے سب انسانوں کے لئے ہونی چاہیئے۔ بڑا آدمی وہی ہے جس کے خیالات اور جس کی ہمدردی ہمہ گیر ہے اور جو کسی خاص مقام یا خاص جگہ تک محدود نہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب فرائض کی حدود اس قدر وسیع ہو گئیں تب اگر دو فرائض کے درمیان ٹکراؤ پیدا ہوتا ہے تو اُس صورت میں کیا کیا جائے۔ اس کے لئے صرف اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ (Sacrifice lesser interest for the sake of greater interest) یعنی کسی بڑے مقصد کے لئے چھوٹے مفاد کو قربان کر دینا چاہیئے۔ اگر کنبہ اور ملک کے مفاد آپس میں ٹکراتے ہیں تو ملک کے مقابلہ میں کنبہ کے مفاد کو قربان کر دینا چاہیئے۔

وطن پرستی وطن پرستی شہری کا فرض اولین ہے۔ ملک اور وطن کے لئے اگر ضرورت ہو تو جان و مال سب کچھ قربان کیا جا سکتا ہے۔ شہری اپنے ملک کا مقروض ہوتا ہے۔ ملک اور وطن کے اُس پر بہت

حقوق ہوتے ہیں لیکن انسان کے وجود کے لئے ملک کا وجود ضروری ہے ایسی صورت میں جبکہ ملک پر کسی بیرونی حملہ کا خطرہ ہو یا ملک کسی آفت میں مبتلا ہو تو ہر ایک انسان کو دل وجان سے اس کی حفاظت اور مدد کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ امن کے زمانہ میں بھی ہر ایک شہری کا فرض ہے کہ ملکی معاملات میں سرگرمی سے حصہ لے اور اس کی ترقی کے لئے ہر وقت کوشاں رہے غیر شہریوں کو بھی ملک کی ہر طرح سے خدمت کرنی چاہیئے اس لئے کہ وہ لوگ بھی ملک میں امن وآرام کی زندگی بسر کرتے اور اس کی جملہ نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

حب الوطنی

وطن پرستی (Patriotism) حب الوطنی کے بغیر نہیں ہو سکتی ہے۔ حب الوطنی قدرتی چیز ہے۔ ہر انسان کے دل میں اپنے ملک و وطن کی محبت ہوتی ہے۔ سر زمین وطن پر ہم پیدا ہوئے اس کی آغوش میں کھیل کود کر بڑے ہوئے اس کی زندگی بخش آب وہوا میں پرورش پائی، اس کے عملی میدانوں میں ہماری قوتوں کا نشو ونما ہوا۔ اس لئے اپنے وطن کے لئے ہمارے اندر وہی محبت اور عقیدت ہونی چاہیئے جو ہم اپنے ماں باپ سے رکھتے ہیں۔ دنیا میں کون ایسا شخص ہے جس کے دل میں اپنے وطن کے لئے محبت اور عقیدت نہ ہو۔ ملک کے تمام باشندوں کو خواہ وہ کسی گروہ کسی فرقے اور کسی قوم سے تعلق کیوں نہ رکھتے ہوں فرقہ وارانہ خیالات کو ترک کرکے اپنے وطن سے محبت اور عقیدت ہونی چاہیئے۔ ہندوستان کے تمام باشندے پہلے ہندوستانی ہیں اور بعد کو ہندو، مسلمان، عیسائی، پارسی وغیرہ ہر ایک ہندوستانی کی زبان سے یہی نکلنا چاہیئے کہ (Country first and any thing afterwards) یعنی سب سے پہلے

ملک اور اس کے بعد اور کچھ ہے۔ جب تک ہمارے اندر اس قسم کے خیالات نہ ہوں گے ہمارا ملک ترقی نہیں کر سکتا۔

فرمانبرداری و اطاعت گذاری (Obedience)

قانون کے مطابق عمل کرنا ہر شہری کا فرض ہے۔ شہری کی آزادی کے لئے قانون ایک ضروری شے ہے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قانون ہماری آزادی میں خلل انداز ہوتا ہے اور اس لئے قانون اور آزادی ایک دوسرے کے مخالف ہیں لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ قانون آزادی کے حق میں روڑا نہیں اٹکاتا بلکہ اُسے اور تقویت پہنچاتا ہے۔ آج کل جمہوریت کے زمانہ میں تو قانون پر عمل کرنا اور بھی ضروری ہے اس لئے کہ یہ تمام قوانین عوام کے ذریعہ بنائے جاتے ہیں کیا کوئی شخص خود اپنی بنائی ہوئی چیز کو خود توڑنا پسند کرے گا۔ ہم کسی قانون کو نہایت غور و خوض کے بعد اپنے فائدے کے لئے وضع کریں اور ہم خود ہی اسے نظرانداز کردیں یا اُس کی خلاف ورزی کریں یہ کتنی بُری بات ہے بقول سقراط مملکت کے تمام قوانین جن کی ہم خلاف ورزی اور حکم عدولی کرتے ہیں لکھا ہو کہ قیامت کے روز ہمارا دامن پکڑیں گے اور کہیں گے کہ تم نے خود ہمیں بنایا اور خود ہی ہماری توہین کی۔ اگر کوئی قانون ایسا بن جائے جو عوام کے لئے مضر ہو یا وقت کی ضرورت کے مطابق نہ ہو تو اُس میں ترمیم و تنسیخ کیجا سکتی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ حکومت کے وجود کا دارومدار قانون پر ہے قانون ٹوٹ جانے پر حکومت ذرا دیر بھی قائم نہیں رہ سکتی۔

ٹیکس ادا کرنا (Payment of Taxes)

روپیہ ہی سے دنیا کا تمام کارخانہ چل رہا ہے۔ دنیا کا کوئی کام بغیر روپیہ

سکے نہیں ہو سکتا حکومت چلانے کے لئے بھی روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے جسے
ٹیکس کے ذریعہ رعایا سے وصول کیا جاتا ہے اور رعایا کے لئے ہی صرف
کر دیا جاتا ہے۔ اس لئے ہر ایک شہری کا فرض ہے کہ وہ ٹیکس کی ادائیگی
میں لاپروائی یا حیلہ حوالہ نہ کرے ٹیکس ہر شخص کی حیثیت کے مطابق قائم کیا
جاتا ہے۔ حکومت کو نامناسب اور ناجائز ٹیکس نہیں لگانا چاہئیے۔ اگر کوئی نامناسب
ٹیکس لگا دیا جائے تو سب کو ملکر اس کی مخالفت کرنی چاہئیے۔ جب حکومت برطانیہ
نے امریکہ پر ٹیکس لگایا تو امریکہ نے اُسے ناجائز بتاتے ہوئے یہ کہا تھا کہ :-
(The Representations, no Conditions) یعنی بغیر
نمایندگی کے ٹیکس کیسا ٹیکس لگانے کے ساتھ ساتھ اس کا خیال بھی رکھنا چاہئیے
کہ اس کے وصول کرنے کا طریقہ ایسا ہو جس سے عوام کو کوئی پریشانی یا تکلیف
نہ ہو اگر جنگ یا کسی قدرتی آفت کی بناء پر ٹیکس لگانے کی ضرورت پیش آئے تو
عوام کو کچھ پریشانی اور تکلیف اٹھا کر بھی ٹیکس ادا کرنا چاہئیے۔ مخصوص حالات
و واقعات میں خرچ میں اضافہ ہو جاتا ہے اس لئے اس کو پورا کرنے کے
لئے مزید ٹیکس لگانے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اس قسم کے ٹیکسوں کی ادائیگی
میں ہمیں پہلو تہی نہ کرنا چاہئیے اور نہ بُرا ماننا چاہئیے۔

انتظام حکومت میں تعاون Cooperation in Administration

حکومت خدا کی طرح نہ تو
حاضر و ناظر ہے اور نہ قادر مطلق حکومت کے پاس اتنے عہدیداران و کارکنان
نہیں ہوتے کہ وہ ہر جگہ کے ذرا ذرا سے معاملات کی ہر وقت نگرانی کرتی
رہے اگر حکومت کے کسی کام میں کوئی نقص ہے یا انتظام حکومت میں کوئی خامی
ہے تو اسے پورا کرنا حکومت کا تو فرض ہے ہی مگر شہری کا بھی فرض ہے کہ وہ

ان خامیوں اور نقائص سے حکومت کو مطلع کرتا رہے اور انھیں دور کرانے کی کوشش کرے۔ اگر شہری اس معاملہ میں لاپرواہی یا غفلت کریں تو حکومت کے ناقص ہونے کی ذمہ داری شہریوں پر بھی عائد ہوتی ہے۔

لوگ اکثر شکایت کیا کرتے ہیں کہ جنگی کا انتظام بہت خراب ہے پانی اور روشنی کی بڑی تکلیف ہے۔ سڑکیں گندی رہتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ہم میں سے بہت کم ایسے شہری ہیں جو میونسپلٹی کی توجہ اس طرف دلاتے ہوں اگر ہم سچے شہری ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ اخبارات یا دیگر ذرائع سے حکومت کو اس کے نقائص اور خامیوں سے مطلع کرتے رہیں مسلسل شبہ سے یہ شکایتیں دور ہو جاتی ہیں۔ حکومت کی بہت سی تجویزیں رفاہ عام کے لئے ہوتی ہیں لیکن ان کو عملی شکل دینے کے لئے پبلک کے تعاون اور اس کی امداد کی ضرورت ہے۔ ایسی تجویزوں کو عملی شکل دینے میں ہمیں حکومت کی پوری پوری مدد کرنی چاہئے اور یہ سمجھ کر کنارہ کش نہیں ہو جانا چاہئے کہ اس کی ذمہ داری حکومت پر ہے۔ ہیضہ، پلیگ وغیرہ وبائی امراض کے دنوں میں ڈاکٹر ٹیکہ لگانے یا صفائی وغیرہ کے انتظام کے لئے محلہ محلہ گھوما کرتے ہیں لیکن ہم میں سے بہت کم لوگ اس کام میں اُن کی مدد کرتے ہیں۔ لہٰذا حکومت پر صرف نکتہ چینی کرنے سے ہم اپنے فرض سے سبکدوش نہیں ہو سکتے بلکہ ہمیں حکومت کے تمام کاموں میں پوری ہمدردی اور اتفاق کے ساتھ مدد کرنی چاہیئے۔

حکومت سے وفاداری

ہندوستانی ہمیشہ سے حکومت اور بادشاہ کے وفادار رہے ہیں۔ بادشاہ کے دیدار کو بڑی خوش قسمتی خیال کیا جاتا ہے۔ ہندوستانی تہذیب میں بادشاہ ظلِ سبحانی (خدا کا سایہ) اور باپ کے برابر مانا گیا ہے۔ رعایا اس کی اولاد کے برابر

ہے۔ اس لئے ہندوستان میں حکومت کی اطاعت و فرماں برادری والدین کی اطاعت کے برابر وقعت رکھتی ہے۔ خدا کا نائب یا خدا کا سایہ ہونے کے سبب بادشاہ افضل ترین انسان تصور کیا جاتا ہے۔ آزاد ملکوں میں وطن پرستی اور حکومت پرستی دونوں ایک چیز ہیں۔ لیکن ہندوستان میں غیر ملکی حکومت ہونے کی وجہ سے وطن پرستی اور حکومت پرستی کے درمیان ایک وسیع خلیج پیدا ہو گئی ہے۔ لہٰذا اگر حکومت کی پالیسی ملکی مفاد کے خلاف ہو تو اس صورت میں حکومت پرستی وطن پرستی کے مقابلہ میں قربان کی جا سکتی ہے لیکن جب وقت تک حکومت ملکی مفاد کی نگراں اور نیک نیت ہو اس وقت تک ہر انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنی حکومت کا وفادار اور اطاعت گذار رہے۔

ذاتی فرائض ہر ایک شہری کے ذہن نشین ہونا چاہئے کہ اس کا پہلا فرض اپنی ذات کے لئے ہے۔ اچھے شہری بننے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے اندر رحم و انصاف، عزم و استقلال، ہمت و جرأت، ہمدردی و فراخدلی اور بلند خیالی و علو ہمتی پیدا کریں۔ یہ وہ خصوصیات ہیں جو ایک اچھے شہری کے لئے ضروری ہیں اور جن کی وجہ سے ملک ترقی پذیر ہوتا ہے۔ ایک ناقص شہری جو ان صفات سے عاری ہے ملک کا دشمن اور سوسائٹی کے لئے باعث ننگ ہے۔ اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے آپ کو جامع الصفات اور منبع کمالات بنائیں۔

فوجی خدمت وطن پرستی اور حب الوطنی کا تقاضا ہے کہ ہم اپنے ملک کی حفاظت کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیں۔ اگر ہمارے ملک پر بیرونی حملہ ہوتا ہے یا کوئی دوسری اندرونی یا بیرونی آفت

نازل ہوتی ہے تو ہمارا فرض ہے کہ ہم فوج میں بھرتی ہو کر ملک کی حفاظت کے لئے جان کی بازی لگا دیں۔ اور جنگ کی دیوی کی پیاس دشمنوں کے خون سے بجھائیں۔ گذشتہ اور موجودہ جنگ عظیم میں لاکھوں ہندوستانی جانبازوں نے فوج میں بھرتی ہو کر وفاداری اور جان نثاری کا ثبوت دیا۔ اور امید ہے کہ آئندہ بھی جب کبھی مادر وطن کو اپنے سپوتوں کی قربانی کی ضرورت ہوگی ہندوستانی نوجوان پیچھے قدم نہ اٹھائیں گے۔

خلاصہ (Summary)

(۱) فرض ہی زندگی ہے۔ فرائض کی ادائیگی کے بغیر حقوق کا مطالبہ کرنا حماقت ہے۔

(۲) فرائض دو قسم کے ہوتے ہیں:-

(الف) حکومت کے ساتھ جن کے ادا نہ کرنیکی صورت میں حکومت سزا دیتی ہے۔

(ب) اختیاری یعنی اپنے کنبہ، ملک اور تمام دنیا کے ساتھ۔

(۳) وطن پرستی سب فرائض سے افضل ہے۔

(۴) حب الوطنی کے جذبات ہر ایک دل میں موجزن ہونے چاہئیں۔

(۵) قانون شہری کی آزادی کے لئے ضروری ہے۔ اس کی قانون کی پابندی کرنا ہر ایک شہری کا فرض ہے۔

(۶) حکومت چلانے کے لئے روپیہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس لئے ٹیکس ادا کرنا شہری کا فرض ہے۔

(۷) حکومت کے انتظام میں مدد دینا اور حکومت کی وفاداری شہری کے اوصاف ہیں۔

Questions

1. What do you understand by the from duty? What are the duties of a citizen to the family and country?

2. How should a citizen behave when there is a confect between different duties?

3. Show how citizenship means the right ordering of our loyalties to-self, Family, city. Nation and the world.

4. Wri short notes on:— Patriotism, obedience to laws, co-operation in administration and military service.

باب ۶

شہری زندگی

ذاتی اصلاح و تربیت انسان کا سب سے پہلا فرض اپنی اصلاح اور ترقی میں کوشش کرنا ہے۔ اپنی اصلاح اور تربیت کے بعد ہی وہ اپنے کنبہ ذات، قوم اور ملک کی خدمت کر سکتا ہے اگر کسی انسان کے دل میں یہ خواہش ہے کہ وہ اپنی قوم اپنے ملک اور انسانی سوسائٹی کی خدمت کرے تو اسے اس قابل بننے کے لئے سب سے پہلے اپنی اصلاح و تربیت کرنی پڑے گی۔ جس طرح ایک کمزور آدمی دوسرے کی مدد نہیں کر سکتا یا ایک بیمار شخص کسی دوسرے کی تیمارداری یا معالجہ نہیں کر سکتا اسی طرح

ایک ایسا شہری جس نے خود اپنی ذات اور اپنے نفس کی اصلاح نہیں کی ہے ملک کی اصلاح یا خدمت نہیں کر سکتا۔ مہاتما گاندھی، پنڈت مدن موہن مالویہ، پنڈت جواہر لال نہرو، مولانا ابوالکلام آزاد، مسٹر جناح اور مولانا حسین احمد مدنی جیسی عظیم الشان ہستیاں اپنی ذاتی اصلاح و تربیت کے بعد ملک و قوم کی ترقی و اصلاح کے لئے کمربستہ ہوئیں۔ جبتک ہمارے اندر خامیاں اور نقائص ہیں تب تک ہماری تمام خدمات اور تمام جدو جہد عوام الناس پر خاطر خواہ اثر نہ ڈال سکے گی۔

جو لوگ حقیقی سکون اور مسرت کی تلاش بیرونی دنیا میں کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں سکون و مسرت ہر انسان کے دل کے اندر ہے۔ اس کی تلاش میں پہاڑوں اور جنگلوں کی خاک چھاننے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ دل کی گہرائیوں میں جانے سے حقیقی سکون و مسرت کا خزانہ دستیاب ہو سکتا ہے۔ اگر ہمارے خیالات پاکیزہ ہیں تو دنیا ہمیں سکون و مسرت کا مخزن نظر آئے گی۔ ہم اپنے خیالات کے مطابق دنیا کو سمجھتے ہیں گویا ہمارے خیالات اور ہمارا رجحان ایک عینک کے مانند ہے جس کے شیشے جس رنگ کے ہوں گے دنیا اسی رنگ کی دکھائی دیگی۔

افسوس ہے کہ ان تمام باتوں کے باوجود ہم خود اپنی اصلاح اور تربیت کے لئے چنداں فکر نہیں کرتے۔ ہمارا فرض ہے کہ دماغی اور روحانی تربیت کے علاوہ جسمانی ورزش کی طرف بھی خاص توجہ دیں اس لئے کہ (A sound body has a sound mind) یعنی تندرست جسم میں ہی اچھا دماغ رہتا ہے۔ ہمارے شہر اور دیہات انواع و اقسام کے

امراض میں مبتلا رہتے ہیں۔ ہماری زندگی ایک طویل دردناک داستان ہے
جس میں مسرتوں کا فقدان ہے۔ ہمارے بچوں کی صحت اچھی نہیں، ہماری عورتوں
کی صحت عموماً خراب ہے، اُن کی زندگی بے کیف اور اُن کی حالت قابلِ افسوس ہے
حقیقت تو یہ ہے کہ ہندوستان میں زیادہ تر لوگ افلاس اور تنگدستی کی
زندگی بسر کرتے ہیں۔ وہ زندگی کی مسرتوں سے اسی طرح محروم رہتے ہیں،
جیسے ایک اندھا دنیا کے دلفریب مناظر سے۔

ان حالات میں ایک اچھے شہری کی طرح زندگی بسر کرنا بڑا مشکل ہے
اس کے لئے روپیہ اور صحت دونوں کی ضرورت ہے۔ تاہم ہمیں مایوس ہونے
کی ضرورت نہیں۔ اگر ہمارے اندر حوصلہ ہے اور ہم آزادی کے حقیقی پرستار
ہیں تو وہ دن جلد آنیوالا ہے جب ہم مذکورہ بالا دونوں نعمتوں سے بخوبی
بہرہ اندوز ہوں گے اور ہمارا شمار دنیا کے تعلیم یافتہ، ترقی یافتہ اور
معقول شہریوں میں ہوگا۔

عادات و اطوار اور صحت و صفائی کی اہمیت (Importance of personal habits & hygiene)

انسان کی عادتیں دو چار دن میں
نہیں بن جایا کرتیں۔ ان کی بنیاد بچپن میں پڑتی ہے اور بعد ازاں یہ نامعلوم طور
پر رفتہ رفتہ پختہ ہوتی جاتی ہیں۔ سنِ بلوغ کو پہنچنے تک یہ پختہ شکل اختیار کر لیتی
ہیں۔ لہٰذا عمدہ عادات و اطوار کے لئے بچپن سے ہی تربیت [illegible]
کی ضرورت ہے اس لئے کہ عادتوں کے پختہ ہو جانے پر اُن کو ترک نہیں کیا
جا سکتا۔ عادات فطرتِ ثانی (habit is second nature)
ہوتی ہے۔ بچہ ایک نرم و نازک پودے کے مانند ہے جس کو جس طرح چاہیں

ختم دے سکتے ہیں لیکن اُس کے بڑے ہونے پر اُسے حسب منشاء نہیں جھکایا جا سکتا۔ ایک ماہر نفسیات کا خیال ہے کہ انسان کی ۹۵ فیصدی عادتوں کی بنیاد ابتدائی دو سال میں پڑ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بچپن کی عادتیں انتہائی کوشش کے باوجود نہیں بدلتیں۔ ہندوستان کی بچوں کی تعلیم و تربیت کی طرف کوئی خاص دھیان نہیں دیا جاتا اور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ابھی بچے ہیں آگے چل کر درست ہو جائیں گے۔ عموماً دیکھا جاتا ہے کہ اوّل تو بچوں کے پڑھنے کے لئے کوئی علیحدہ کمرہ نہیں ہوتا اور اگر ہوتا بھی ہے تو وہاں اُن کی کتابیں نہایت بے ترتیب اور منتشر حالت میں پڑی رہتی ہیں۔ پہننے کے کپڑے مکان کے ہر حصہ اور ہر کونے میں دکھائی دیتے ہیں کہیں بنیان ہے تو کہیں قمیص، جوتا کہیں ہے اور ٹوپی کہیں، غرض تمام کپڑے فراہم کرنے میں گھنٹوں لگ جاتے ہیں تب کہیں صاحبزادے اسکول تشریف لے جاتے ہیں۔ اسکول سے آئے۔ کتابیں ادھر اُدھر پھینکیں، کپڑے اُلٹے سیدھے اتارے اور پھر کھیل کود میں مصروف ہو گئے۔ گویا کل کو اسکول جانا ہی نہیں ہے۔

اگلے روز اسکول کا وقت ہوا تو صاحبزادے نے جلدی سے پانی بدن پر ڈالا۔ الٹے سیدھے چار نوالے حلق سے اتارے، اور ایک گلاس پانی بغیر رُکے ہوئے حلق میں انڈیل لیا، اس لئے کہ اب زیادہ فرصت نہیں۔ جلدی سے کھا پی کر کپڑوں اور کتابوں کی فکر ہوئی۔ دھیان نہیں آتا کوٹ کہاں اُتارا تھا۔ قمیص کا کیا ہوا، جوتا کونسے کمرے میں چھوڑا۔ پھر کتابوں کا ٹائم ٹیبل کے مطابق جمع کرنا اور بھی دشوار۔ فرش پر کتابیں اور کاپیاں اس طرح پڑی ہیں جیسے بھی ان کی بارش ہو چکی ہے۔ غرضیکہ بمشکل تمام

اپنے سیدھے کپڑے پہن کتابیں بغل میں دبا آفتاں و خیزاں اسکول کی طرف دوڑے۔ کلاس میں داخل ہوئے۔ حاضری دی اور کام میں مصروف ہو گئے لیکن کتابیں ٹائم ٹیبل کے بالکل خلاف۔ ایک دن نہیں دو دن نہیں روزانہ یہی ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں بچوں کی تعلیم و تربیت کیسے معقول ہو سکتی اور ملک کیسے ترقی کر سکتا ہے۔

انسان کی دماغی اور روحانی ترقی جسمانی صحت پر منحصر ہے اس لئے ہر ایک شہری کو صحت کے اصول پر کاربند ہونے کی سخت ضرورت ہے روزانہ ورزش، کھیل کود، تفریح طبع، معقول اور مناسب غذا، باقاعدہ (Regular) زندگی۔ جسم کی صفائی۔ روزانہ غسل وغیرہ کے ذریعہ ہم نہایت تندرست رہ سکتے ہیں۔ ان تمام باتوں کو ہمیں اپنی عادت اور اپنے معمول میں شامل کر لینا چاہئے تاکہ وہ ہماری روزانہ زندگی کا جزین جای آج کل ہندوستان کے بچوں، بوڑھوں اور نوجوانوں سبھی کی صحت خراب رہتی ہے۔ دیگر وجوہات کے علاوہ کاہلی اور آرام طلبی بھی ہماری صحت کی خرابی کی ذمہ دار ہیں۔ ہم میں سے بہت سے لوگ صحت و تندرستی کے تمام اصول سے بھی ناواقف ہیں۔ جس کی وجہ سے آئے دن طرح طرح کے امراض کا شکار ہوتے رہتے ہیں۔ جسمانی صفائی کیساتھ ساتھ اپنے مکان اور جائے رہائش کی صفائی کی بھی ضرورت ہے مکان انسان کا دوسرا جسم یا غلاف ہے۔ خاندان کے ہر ایک فرد کا فرض ہے کہ گھر کی صفائی کا کافی خیال رکھے۔ کوڑا کرکٹ باہر پھینکنا چاہئے۔ پاخانہ اور گندی نالیاں فنائل کے پانی سے صاف کرنی چاہئیں۔ گھر کے بزرگ کا فرض ہے کہ وہ گھر کے تمام آدمیوں کو صاف رہنے کی ہدایت کرے۔ بچوں کی صفائی کا خاص خیال رکھے۔

اور مکان کے آس پاس غلاظت جمع نہ ہونے دے۔ صاف مکان میں رہنے والے آدمیوں کو بھی صاف ہی رہنا پڑتا ہے۔ کچھ لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ ایک غریب آدمی مکان یا گھر کے آدمیوں کی صفائی کا کہاں سے انتظام کرے۔ اس کے لئے روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے وہ اتنا روپیہ کہاں سے لائے غریب آدمی نہ مکان صاف رکھ سکتا ہے نہ صاف کپڑے پہن سکتا ہے اور نہ صاف غذا استعمال کر سکتا ہے۔ ان کا یہ کہنا کسی حد تک درست ہے لیکن صفائی کے لئے اتنے روپیہ پیسے کی ضرورت نہیں ہے جتنا وہ خیال کرتے ہیں۔ صفائی کے لئے محنت اور احتیاط کی ضرورت زیادہ ہے بہت سے غریب آدمی ایسے دکھائی دیں گے جن کا رہن سہن نہایت صاف اور شستہ ہے۔ اس لئے جو لوگ محض غریبی کا بہانہ کر کے صفائی کی ذمہ داری سے بچنا چاہتے ہیں اُن کا یہ عذر قابل قبول نہیں۔

دیہاتی زندگی (Village Life) گذشتہ صفحات میں مختصر طور پر بیان کیا جا چکا ہے کہ دیہات کے لئے ایک شہری کے کیا فرائض ہیں۔ دیہات کے باشندوں کے ساتھ ہمیں برابری کا سلوک کرنا چاہئے۔ ہمارے دل میں ان کے لئے ہمدردی، محبت اور خدمت کے جذبات ہونے چاہئیں۔ دیہاتی زندگی کو ترقی دینا اور اس میں اصلاح کرنا ایک شہری کا فرض ہے۔ دیہات کی صفائی اور اس کے رہنے والوں کے حفظان صحت کی طرف کافی توجہ اور اس کے لئے ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے۔ گاؤں کی صفائی (Village Sanitation) کے لئے ان تمام امور کا خیال رکھنا لازم ہے جن کا ذکر سطور بالا میں کیا جا چکا ہے۔ ہندوستان کے دیہات کی حالت اچھی نہیں ہے۔ وہ بہت گندے

اور غلیظ رہتے ہیں۔ ہندوستان کے دیہات عام طور سے غلاظت کے
گودام ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اُن میں آئے دن طرح طرح کی
بیماریاں پھیلتی رہتی ہیں۔ دیہات میں صفائی۔ روشنی اور پانی کا نہایت معقول
انتظام ہونا چاہیئے۔ گاؤں کے نزدیک کوڑا کرکٹ اور غلاظت کے انبار نہ
لگانے چاہئیں۔ برساتی پانی کے باہر نکالنے کا بندوبست ہونا بہت ضروری
ہے موسم برسات میں گاؤں کی تنگ گلیوں میں گندہ پانی جمع ہو جاتا ہے
جس سے طرح طرح کے امراض پیدا ہوکر ہزاروں انسانوں کی ہلاکت کا موجب
ہوتے ہیں۔ وبائی امراض کے انسداد اور روک تھام کے لئے ٹیکہ اور دیگر
ضروری باتوں کا انتظام ہونا ضروری ہے۔ وبائی امراض سے بچنے کے
لئے جن احتیاطی تدابیر کی ضرورت ہو اُن میجک لالٹین کے ذریعہ بخوبی ذہن نشین
کرانے کا بندوبست ہونا چاہیئے۔

دیہات میں صفائی کے بعد دوسری سب سے بڑی ضرورت تعلیم کی ہے
دیہات کے زیادہ تر باشندے ناخواندہ ہوتے ہیں۔ انھیں تعلیم یافتہ بنانے
کے لئے ابتدائی تعلیم کی ضرورت ہے۔ تیسرے دیہات کی گھریلو صنعت و
حرفت کو ترقی دینا بھی حکومت اور شہریوں کا فرض ہے۔ ہندوستان کے
دیہات مفلسی و ادبار کے شکنجہ میں جکڑے ہوئے ہیں، نہ ان کے پاس اچھے
مکان ہیں اور نہ صنعت و حرفت اور کاشتکاری کے لئے سرمایہ۔ دیہات کے
تمام گھریلو دھندوں مثلاً کپڑا بننا، سوت کاتنا، بڑھئی، لوہار، کمہار کا کام،
ٹوکری بنانا، رسّی بٹنا وغیرہ وغیرہ میں کافی اصلاح اور ترقی کی جا سکتی ہے
ان دھندوں کی اصلاح و ترقی سے دیہات کی مالی حالت بہتر بن سکتی ہے
اس اصلاح و ترقی کی ذمہ داری حکومت اور شہریوں دونوں پر ہے

چنانچہ شہریوں کو مذکورہ بالا امور میں اپنی فرض شناسی کا ثبوت دینا چاہئے چونکہ دیہات کی معاشرتی اور اجتماعی زندگی بھی کافی اصلاح کی محتاج ہے جب تک تمام شہری مشترکہ طور پر اس پر غور نہ کریں اور اس کی اصلاح میں کافی کوشش نہ کریں تب تک دیہات کی حالت درست ہونا ناممکن ہے۔ اجتماعی زندگی کے لئے پنچایت کا طریقہ بہت مفید ثابت ہوگا۔

دیہاتی پنچایتیں کیا ہیں؟ یہ دیہات کے باشندوں کے نمایندوں یا پنچوں کی چھوٹی چھوٹی جماعتیں اور کمیٹیاں ہوتی ہیں۔ پنچوں کا چناؤ گاؤں والے کرتے ہیں ان پنچوں کا ایک سرپنچ ہوتا ہے۔ اگر پنچایت کو گاؤں کے تمام چھوٹے چھوٹے معاملات کے طے کرنے کا اختیار ہو اور پنچ انصاف پسند نیک نیت اور فرض شناس ہوں تو دیہات کی زندگی قابل رشک بن سکتی ہے۔

شہری زندگی (municipal life) قصبوں یا شہروں کی زندگی دیہات کی زندگی سے وسیع ہوتی ہے۔ یہاں کی آبادی زیادہ ہوتی ہے کسی کسی شہر کی آبادی تو لاکھوں تک پہنچتی ہے۔ شہر کے باشندوں کے پیشے اور دھندے بھی لاتعداد ہوتے ہیں۔ بعض شہر جیسے لندن کلکتہ، بمبئی وغیرہ تو تمام دنیا کی تجارت کے مرکز ہیں۔ اس کے علاوہ بڑے شہروں کی صفائی، روشنی، تعلیم اور حفاظت کے لئے ایک عمدہ نظام کی ضرورت ہے۔ جس طرح دیہات کی اصلاح اور ترقی کے لئے پنچایتوں کی ضرورت ہے اسی طرح شہروں کی اصلاح اور آرام و آسائش کے لئے میونسپل کمیٹی کی ضرورت ہے۔ میونسپل کمیٹی کا دائرہ عمل آبادی کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ اس کمیٹی کے ممبران کا چناؤ شہر کے باشندوں کے ذریعہ ہوتا ہے۔ کمیٹی کے ممبران ایک صدر (chairman) چنتے ہیں۔ بعد ازاں کمیٹی کے ممبروں کی

چھوٹی چھوٹی کمیٹیاں بنادی جاتی ہیں جو الگ الگ محکمہ کا انتظام کرتی ہیں۔ شہریوں کا فرض ہے کہ وہ کمیٹی کے ممبران کا انتخاب اُن کی لیاقت اور خدمات کے اعتبار سے کریں اور اس انتخاب میں اپنی رائے کا مناسب استعمال کریں۔ فرقہ وارانہ یا قومی تعصب کو اس میں مطلق دخل نہ ہونا چاہیئے۔ میونسپل کمیٹی کے ممبران جتنے قابل، نیک نیت اور مخلص ہوں گے اتنا ہی شہر کا انتظام عمدہ ہوگا۔

میونسپل بورڈ کے خاص خاص فرائض حسب ذیل ہیں:-

(۱) سڑکوں، گلیوں اور نالیوں کی صفائی (۲) سڑکوں اور گلیوں کی روشنی کا انتظام (۳) ابتدائی تعلیم (۴) پبلک کی صحت کی حفاظت (۵) سڑکوں کی تعمیر اور مرمت (۶) صنعت وحرفت اور تجارت کو ترقی دینا۔

شہروں میں دیہات سے زیادہ صفائی کی ضرورت ہے۔ شہروں کی سڑکیں عام طور پر تنگ ہوتی ہیں جن میں بنے ہوئے عالیشان مگر تنگ وتاریک مکانات صاف اور صحت بخش ہوا سے محروم رہتے ہیں۔ آمد ورفت کی زیادتی کے باعث شہر کی سڑکیں بہت جلد مرمت طلب ہو جاتی ہیں۔ اگر اُن کی مرمت جلدی نہ کی جائے تو آمد ورفت میں دقت پیدا ہونے کے علاوہ گرد وغبار کی وجہ سے پبلک کو کافی پریشانی اور کوفت ہوتی ہے۔ اس لئے سڑکوں کی صفائی اور مرمت کا انتظام نہایت معقول ہونا چاہیئے۔ گرد وغبار کو دبانے کے لئے چھڑکاؤ کی بھی بہت ضرورت ہے۔ جگہ جگہ کھلی ہوا کے لئے پارک اور باغیچے بنوانے چاہئیں۔ جہاں عورتیں، مرد اور بچے صاف اور کھلی ہوا میں سانس لے سکیں۔ شہروں میں حکیموں، ڈاکٹروں، دواخانوں اور شفاخانوں کی بہت ضرورت ہے تاکہ غریبوں کا علاج مفت اور دیگر شہر کے باشندوں کا علاج

معالجہ معقول طریقہ سے ہو سکے۔ شہریوں کی صحت کی دیکھ بھال کیلئے ایک ہیلتھ
آفیسر کی بھی ضرورت ہے جو شہر کی اشیاء خوردنی مثلاً مٹھائی، پھل، سبزی،
وغیرہ کی دیکھ بھال رکھے۔ شہر کے بچوں کی تعلیم کے لئے ابتدائی تعلیم کا انتظام
ہونا چاہیئے۔ مزدوروں اور غریبوں کے رہنے کے لئے مناسب جگہ پر کچھ مکانات
یا کوارٹر کمیٹی کی طرف سے بنائے جانے چاہئیں۔ جن میں صفائی، روشنی اور
پانی کا مناسب انتظام ہو۔

کمیٹی کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ صنعت و حرفت اور تجارت کو ترقی دینا
میں ہر ممکن کوشش کرے تاکہ شہر کی مالی حالت بہتر ہو جائے۔ صنعتی ترقی کے
راستے میں جو رکاوٹیں پیدا ہوں اُن کو دور کرنا اور ہر طرح کی آسانیاں
فراہم کرنا بھی کمیٹی کا فرض ہے۔

شہریوں کا فرض ہے کہ کمیٹی کے عائد کردہ ٹیکس اور محصول کو بخوشی ادا
کریں کیونکہ بغیر روپیہ کے شہر کا انتظام کیسے کیا جا سکتا ہے۔ ہر ایک شہری کا
فرض ہے کہ وہ انفرادی اور مجموعی طور پر اپنے فرائض کو بخوبی انجام دے۔

قومی زندگی (National life) اپنے قوم و ملک کے لئے
ہمارے فرض بے شمار ہیں۔ گذشتہ زمانہ میں ملک ہی
شہریت کی ترقی کا سب سے بڑا میدان عمل سمجھا جاتا تھا۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم ان تمام
امور کی طرف خاص توجہ دیں جو ہمارے ملک و قوم کی معاشرتی (سماجک) اقتصادی
مذہبی اور سیاسی ترقی کے لئے ضروری ہیں۔ ہم سب کی مشترکہ کوشش سے ہی
ملک کی ترقی ہو سکتی ہے۔ اگر ہم اپنے ملک و قوم کی بہتری و بہبودی چاہتے ہیں
تو سب سے پہلے ہمیں اپنے اندر حب وطن کا جذبہ پیدا کرنا چاہیئے جس ملک
کی مٹی سے ہمارا جسم بنا ہے جس کی آغوش میں ہم پروان چڑھتے ہیں اُس کی

خدمت کے لئے ہمارے اندر ایک سرگرم جوش اور لگن کی ضرورت ہے۔
ہماری عقیدت غیر فانی اور ہماری حب الوطنی لازوال ہونی چاہیئے۔ ہمارے اندر اپنے ملک کے لئے جان ومال قربان کر دینے کا جذبہ ہونا چاہیئے تاکہ وقت آنے پر ہم اپنی مادر وطن کی حفاظت اور اُس کی ترقی کے لئے جان پر کھیل جائیں۔ ہر ایک شہری کا فرض ہے کہ وہ ملک کی خدمت کو مقدم سمجھے اُس کی شان قائم رکھنے کے لئے جان دیدے۔
حب الوطنی کا یہ مطلب نہیں کہ ہم اپنے ملک کی محبت میں اندھے ہو کر دوسرے ممالک کو حقیر سمجھیں یا اُن کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں۔ بلکہ حب وطن کا مطلب ہے اپنے وطن سے محبت اور دوسرے ممالک سے انسانی ہمدردی۔

اچھا شہری اچھے شہری کا مطلب ایسے شہری سے ہے جو خود تعلیم یافتہ نیک اعمال اور پاکیزہ خیال ہو۔ جو اپنے فرائض کو بخوبی انجام دے۔ ایک اچھا شہری نہ صرف اپنی زندگی کو پر مسرت اور خوشگوار بنا سکتا ہے بلکہ اپنے ساتھیوں کی بھی۔ لارڈ واٹس کا خیال ہے کہ ایک اچھے شہری میں تین اوصاف ضروری ہیں :-

(۱) عقل سلیم (۲) ضبط نفس (۳) جذبۂ ہمدردی

ایک اچھے شہری کو سیاسی مسائل پر غور کرنا پڑتا ہے اگر وہ عقل سے بے بہرہ ہے تو اس کا وجود سیاسی دنیا کے لئے بالکل بے کار ہو جاتا ہے۔ دوسرا وصف ضبط نفس ہے۔ اگر کوئی شہری اس خوبی سے عاری ہے تو معاشرتی دنیا میں اُس کی کوئی قیمت نہیں رہتی ہمیں اپنی ذاتی اغراض، ذاتی خواہشات اور ذاتی عیش وآرام کو دوسروں کے لئے قربان کر دینا پڑتا ہے۔ اپنے حاکموں کی اطاعت گذاری اور فرماں برداری کے لئے کبھی کبھی اپنے جذبات کو دبانا پڑتا ہے۔

اگر ہمارے اندر یہ خوبی نہیں ہے تو ہم ایک کامیاب زندگی بسر نہیں کر سکتے۔ فرائض کے مقابلہ میں جذبات کو دبا دینا ایک ایسی قربانی ہے جس کی سوسائٹی میں قدم قدم پر ضرورت پڑتی ہے۔ تیسری خوبی ہمدردی ہے جو ایک اچھے شہری کے لئے نہایت ضروری ہے۔ ہمدردی اور تعاون کے ذریعہ بہت سے پیچیدہ مسائل آسانی سے حل ہو جاتے ہیں۔

مسٹر وہائٹ نے بھی اچھے شہری کے تین اوصاف بیان کئے ہیں:-

(۱) عقل سلیم (۲) علم اور (۳) جوش عمل

عقل اور علم کی ضرورت ہر ایک شہری کے لئے ہے۔ عقل اور علم کے علاوہ جوش عمل بھی ایک لازمی چیز ہے۔ بغیر جوش عمل کے کوئی کام آسانی اور کم وقت میں انجام نہیں پا سکتا۔ ہماری مذہبی کتابوں میں بھی ایک اچھے شہری کی تین خصوصیات بیان کی گئی ہیں:-

(۱) راستبازی (۲) جذبہ خدمت ملک و قوم (۳) عمدگی و شائستگی۔

یہ تینوں خصوصیات ایک اچھے شہری کے لئے ضروری ہیں جس شخص میں یہ خوبیاں نہیں ہیں وہ ایک شہری کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔

اچھی شہریت کے راستہ میں رکاوٹیں (Hinderances to good citizenship)

اچھی شہریت کے راستہ میں پانچ رکاوٹیں ہیں:-

(۱) جہالت (۲) خود غرضی (۳) پارٹی بندی (۴) ذات پات کی تفریق (۵) کاہلی و بے عملی۔

جہالت تمام عیبوں کی جڑ ہے۔ اس سے شہری نہ صرف کمزور و ناکارہ نہیں ہو جاتا بلکہ تمام ملک بھی کمزور اور زوال پذیر ہو جاتی ہے جس کا وہ شہری ہے

جاہل آدمی حیوان کی مانند ہوتا ہے جس کی زندگی ملک کے لئے فائدہ مند ہونے کی بجائے مضرت رساں ہوتی ہے۔ اپنے ملک کی مدد کرنا تو درکنار وہ خود دوسروں کی مدد کا محتاج رہتا ہے۔ ہندوستان میں جہالت ایک عام مرض ہے جس کی ذمہ داری حکومت پر ہے۔

خودغرض آدمی اُس لٹو کے مانند ہوتا ہے جو اپنی ہی کیلی پر چکر لگاتا ہے۔ ایک خودغرض آدمی کی تمام تر توجہ اور اس کی تمام کوشش صرف اپنی ترقی اور بہبودی کے لئے صرف ہوتی ہے۔ اس کی دنیا اس کی ذات ہے۔ اُس کے باہر اسے کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ اپنے ذاتی مفاد کے لئے وہ تمام دنیا کو قربان کر سکتا ہے۔ ایسا شخص کبھی ایک اچھا شہری نہیں ہو سکتا۔ ہندوستان میں خودغرض اور مطلب پرست آدمیوں کی تعداد بہت ہے چونکہ انہیں اپنی ذات سے ہی فرصت نہیں ملتی اس لئے وہ کسی سوشل یا سیاسی کام میں حصہ نہیں لیتے یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کی سوشل یا سیاسی اصلاح میں خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوتی۔

پارٹی بندی ہندوستان کے لئے ایک نئی بیماری ہے۔ اس بیماری کے لئے یہاں کی فضا اتنی مناسب اور یہاں کی آب و ہوا اسقدر موزوں ہے کہ یہ بیماری دن دونی رات چوگنی ترقی کرتی جا رہی ہے۔ ویسے تو گروہ بندی یا پارٹی بندی بذات خود کوئی بُری چیز نہیں ہے۔ کیونکہ آجکل جمہوریت کے زمانہ میں اس کی ضرورت ہے لیکن اس کا نامناسب استعمال نہایت نقصان دہ ہے۔ پارٹی بندی کی بنیاد خلوص اور نیک نیتی پر ہونی چاہیئے۔ ہندوستان میں زیادہ پارٹیاں خواہ وہ سیاسی ہوں یا مذہبی اپنے ذاتی اغراض و مقاصد کو پیش نظر رکھتی ہیں۔ ان کی تکمیل کے لئے جائز و ناجائز دونوں ذرائع

استعمال کرتی ہیں۔ پارٹی کے افراد کا فرض ہے کہ وہ اُس مقصد کو ہمیشہ مد نظر رکھیں جس کو حاصل کرنے کے لئے پارٹی میں شریک ہوئے ہیں اور قدم قدم پر اپنی فرض شناسی اور نیک نیتی کا ثبوت دیں۔ اُن کے اندر اتنی مستقل مزاجی اور ثابت قدمی ہونی چاہیئے کہ وہ صدہا آفتوں کے باوجود اپنے فرض پر چٹان کی طرح قائم رہیں۔

ذات پات کی تفریق ہندوستان کے لئے ایک ایسی بیماری ہے جس نے اس کے تمام اعضاء کو بالکل کمزور اور بیکار کر دیا ہے۔ ہندوستان قوموں، ذاتوں اور فرقوں کا ایک عجائب گھر ہے۔ ذات پات کی تفریق اور فرقہ وارانہ تعصب سے خود غرضی دن بدن بڑھتی جا رہی ہے اور انسانی ہمدردی و محبت کی جگہ بغض و عناد اور فتنہ و فساد نے لے لی ہے۔ ہر شخص صرف اپنی قوم یا اپنے فرقہ کی خدمت کو ہی اپنا سب سے بڑا فرض سمجھتا ہے۔ اس کے آگے اس کا کوئی فرض نہیں۔ اُس کی تمام کوششیں اپنی قوم تک ہی محدود ہیں۔ اس تنگ خیالی اور تنگ نظری نے ہندوستان کو کافی نقصان پہنچایا، اور آئیندہ پہونچاتی رہے گی۔

بے عملی اور کاہلی ہندوستانی شہریوں کی خاص بیماری ہے۔ جھوکا مرنا منظور لیکن ہاتھ پیر ہلانا منظور نہیں۔ آئے دن ظلم پر ظلم برداشت کرنا منظور لیکن اس کی روک تھام کے لئے قدم اٹھانے کی ہمت نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صدیوں کی غلامی نے ہماری ہمت و جرأت، علم و عمل سب کچھ بیکار کر دیا ہے اب ہم ایک بے حس و حرکت زندگی کے عادی ہو گئے ہیں۔ اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ بھرنا ہی ہماری زندگی کا مقصد ہے۔ خدمت قوم یا رفاہ عام کے لئے ہمارا قدم نہیں اٹھتا۔ سوچتے ہیں مجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو۔

یہ بھی خیال آتا ہے کہ اس قسم کے کاموں میں اور بہت سے آدمی لگے ہوئے ہیں اور اگر فقط ہم ہی حصہ نہ لیں گے تو کیا بگڑ جائے گا۔ اگر تمام آدمی ایسا ہی خیال کر لیں تو دنیا کا کوئی کام نہ ہو۔ جتنے میلے تماشے ہوتے ہیں اگر سب آدمی یہ سوچ لیں کہ کیا ہمارے ہی جانے سے میلہ تماشہ یا جلسہ نہ ہوگا تو ان کا وجود ہی نہ رہے۔

ہمارے ہندوستان میں بہت سے گروہ اور فرقے ہیں اور ہر گروہ اور فرقہ اس کا دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے تمام دنیا کی اصلاح و ترقی کا ٹھیکہ لے لیا ہے لیکن جب کام کرنے کا وقت آتا ہے تو ان بڑے بڑے دعوے کرنے والوں کی صورت تک دکھائی نہیں دیتی۔ کوئی گروہ یا پارٹی اس وقت تک مقبولیت حاصل نہیں کر سکتی جب تک اس میں جوش عمل نہ ہو۔

عالمگیر شہریت (World Citizenship)

گزشتہ باب میں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ دنیا انسانی سوسائٹی کی سب سے بڑی شکل ہے۔ انسان ہونے کے رشتے سے ہم سب کو دنیا کے تمام انسانوں سے ویسی ہی ہمدردی اور محبت رکھنی چاہیئے جیسی ہم خود سے یا اپنے ملک والوں سے رکھتے ہیں۔ اس لئے مقامی یا محدود شہریت بڑھتے بڑھتے عالمگیر یا ہمہ گیر شہریت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ سائنس کی ایجادات اور آمد و رفت اور رسل و رسائل کے ذرائع مثلاً ریل، جہاز، ہوائی جہاز، ریڈیو وغیرہ نے دنیا کے تمام ممالک کو دور ہونے کے باوجود قریب تر بنا دیا ہے۔ تمام ممالک کے بین الاقوامی تعلقات بہت گہرے ہو گئے ہیں۔ آج ہم دوسرے ممالک میں جا کر وہ اجنبیت محسوس نہیں کرتے جو اب سے کئی صدیاں پہلے محسوس ہوتی تھی۔ اس لئے ہر انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنے خیالات کو

محدود نہ رکھے اور جذبہ شہریت کو عالم گیر بنائے۔

نیشنلزم اور انٹرنیشنلزم (Nationalism and Internationalism)

زمانہ قدیم میں ایک شہری کے فرائض صرف اپنے ملک تک ہی محدود تھے صرف اپنی قوم اور اپنے ملک کی بہبودی و ترقی اس کی زندگی کا نصب العین تھی یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ میں تمام ملک ایک دوسرے سے برسرپیکار رہتے تھے۔ بڑے بڑے ملک چھوٹے ملکوں کو ہڑپ کر جاتے اور اس طرح اپنی وسعت میں اضافہ کرتے تھے۔ چھوٹی چھوٹی ریاستیں ہمیشہ خطرے میں رہتی تھی۔ آج کل بھی قریب قریب یہی شکل ہے۔ بڑی بڑی مملکتوں کی نیت خراب ہوگئی ہے۔ وہ تمام دنیا پر قبضہ کرنے کی فکر میں ہیں۔ موجودہ جنگ عظیم اسی ذہنیت کا ثبوت ہے۔ لیکن دنیا کے بڑے بڑے رہبروں اور سیاستدانوں کا خیال ہے کہ اس ذہنیت سے دنیا کو کافی نقصان پہونچ چکا ہے اور آئندہ اس سے بھی زیادہ نقصان کا احتمال ہے۔ لہذا دنیا کے امن وامان کے لئے کوئی ایسا سمجھوتہ کیا جائے اور ایسی تنظیم کی جائے جس سے دنیا کی تمام طاقتوں کی تائید حاصل ہو۔ آج کل ہر ایک ملک اس قسم کی ضرورت محسوس کر رہا ہے اور دنیا کی اقتصادی، سیاسی اور سوشل یعنی معاشرتی ترقی کے لئے اس قسم کا معاہدہ بہت ضروری ہے۔ اگر دنیا کے انسانوں کی ذہنیت بدل جائے اور ملک و قوم پرستی کی تنگ خیالی اور جنگ و جدل کی تباہ کاری سے نفرت کرنے لگیں تو دنیا جنت کا نمونہ بن جائے اور ہر ایک چھوٹا بڑا آزادی اور امن کی ہوا میں سانس لینے لگے۔ تمام دنیا کی مجموعی ترقی اور بہبودی کے خیال کو انٹرنیشنلزم یا بین الاقوامیت کہتے ہیں۔

لیگ آف نیشن (League of Nations) گزشتہ جنگ عظیم (۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء) کے ختم ہونے پر انگلینڈ، امریکہ فرانس وغیرہ ملکوں نے محسوس کیا کہ جنگ کے طوفان کو روکنے اور دنیا میں امن و امان قائم کرنے کے لئے ایک مجلس بین الاقوام (League of nations) کی ضرورت ہے۔ اس مجلس کا دفتر (central) جنیوا میں قائم کیا گیا۔ اور اس کے اخراجات کے لئے تمام ممالک نے روپیہ دیا۔ مجلس بین الاقوام میں دو مجلسیں بنائی گئیں، ایک تو لیگ اسمبلی جس میں ہر ایک ملک کے تین ممبر شامل تھے اور ہر ایک ملک کا ایک ووٹ ہوتا تھا۔ یہ اسمبلی بین الاقوامی حکمت عملی اور اس کے متعلق قوانین پر غور کرتی تھی۔ دوسری مجلس لیگ کونسل تھی جو مجلس بین الاقوام کی مجلس عاملہ تھی اس میں ۱۴ ممبر تھے۔ مجلس بین الاقوام کے دو صیغے تھے ایک تو سیاسی اور دوسرا سماجک اور مالی۔ سیاسی معاملات میں پہلے تو اسے کچھ کامیابی حاصل ہوئی لیکن بعد ازاں چند ممالک کی خود غرضانہ پالیسی اور ان کے ذاتی مفاد نے آپس میں پھوٹ ڈال دی۔ اور اس کا سیاسی صیغہ بالکل ٹوٹ گیا۔ سماجک سوشل خدمت میں یہ مجلس بین الاقوام کافی حصہ لے رہی ہے اور اس سے دنیا کو بہت فائدہ پہونچا ہے۔ اب اس کے خاص کام یہ ہیں۔ مزدوروں کی اصلاح۔ ملیریا اور ہیضہ کی روک تھام اور غیر مہذب و پست اقوام کی ترقی میں کوشش۔

جدید مجلس بین الاقوام کی تجویز (۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۵ء) کی بنا پر پہلی بین الاقوامی مجلس ٹوٹ گئی۔ اس جنگ عظیم نے دنیا کی سیاسی گتھیوں کو اور بھی پیچیدہ بنا دیا۔ دنیا کا

امن وامان پھر خطرہ میں آگیا۔ لہذا امریکہ، انگلینڈ اور روس وغیرہ اتحادی ملکوں نے ضرورت محسوس کی کہ ایک جدید مجلس بین الاقوامی بنائی جائے جو دنیا کے امن وامان کو قائم رکھ سکے۔ طاقت کا توازن دنیا کے امن وامان کے لئے بہت ضروری ہے۔ اس لئے اس مجلس کا یہ بھی فرض ہوگا کہ وہ دنیا کے ممالک کی فوجی طاقت کو ایک مقررہ حد سے آگے نہ بڑھنے دے۔ اس جدید مجلس کا دائرہ عمل پرانی مجلس سے زیادہ وسیع ہوگا نیز اس کے اختیارات بھی پہلے کی بہ نسبت زیادہ زیادہ ہوں گے۔ مجلس ان تمام ممالک کو وابستہ رکھنے کی پوری کوشش کریگی جنھوں نے دنیا کے امن کو خطرہ میں ڈالا اور جن سے آئندہ بھی خطرہ ہے

ہندوستان اور بین الاقوامی معاملات

ہندوستان میں بین الاقوامی خیالات بہت عرصے سے موجود ہیں۔ مذہبی معاملات میں بھی یہاں کے بزرگانِ دین تمام دنیا کی بہتری کو مدنظر رکھتے تھے۔ ہندوستان کے بڑے بڑے راجاؤں اور بادشاہوں مثلاً اشوک، ہرش، اکبر وغیرہ نے عالمگیر مذاہب اور عالمگیر سلطنتیں قائم کرنے کی کوشش کی تاکہ تمام دنیا کے انسان امن وامان کی زندگی بسر کرسکیں اور خداداد نعمتوں کو مساوی طور پر استعمال کریں۔ آجکل بھی ہمارے سیاسی رہنماؤں کے خیالات نہایت وسیع ہیں۔ مہاتما گاندھی، پنڈت جواہر لال نہرو اور مولانا ابوالکلام آزاد تمام دنیا کی بہتری اور بہبودی چاہتے ہیں۔ اُن کی ہمدردی دنیا کے تمام انسانوں کے ساتھ ہے۔

(خلاصہ Summary)

(۱) شہری کے حقوق کے ساتھ اُس کے فرائض بھی وابستہ ہیں۔

(۲) اپنی اصلاح اور ترقی شہری کا پہلا فرض ہے۔

(۳) دیہات کی اور شہروں کی اصلاح و ترقی کے لئے پنچایتوں اور میونسپل بورڈ کا انتظام ضروری ہے ہر ایک شہری کو شہر اور گاؤں کے مناسب انتظام اور ممبروں کے مناسب چناؤ کی طرف خاص توجہ دینی چاہیئے۔

(۴) وطن کی محبت اور اپنے ملک کی ترقی کی خواہش ہر شہری کے دل میں ہونی چاہیے اس کا فرض ہے کہ وہ اپنے ملک کی سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی ترقی میں کافی کوشش کرے۔

(۵) ہماری ہمدردی اور محبت اپنے ملک تک ہی محدود نہیں رہنی چاہیئے بلکہ ہمیں دنیا کے تمام ملکوں کی بہبودی کا خیال رکھنا چاہیئے بین الاقوامی تنظیم سے ہی جنگ جدل کی روک تھام ہو سکتی ہے۔

(۶) تعلیم کی کمی، ذات پات کا تعصب، پارٹی بندی، بے عملی اور خود غرضی اچھی شہریت کے راستہ میں رکاوٹیں ہیں۔

(ا) وطن کی محبت کا مطلب دوسرے ملکوں کیساتھ .... سے نہیں ہے

(ب) بین الاقوامی .... سے دنیا میں امن قائم ہو سکتا ہے۔

(ج) ہندوستان میں اچھی شہریت کے راستے میں بہت سی .... ہیں

(د) دیہات کی خراب حالت کی خاص وجہ .... کی کمی ہے۔

(ہ) شہر کی اصلاح و ترقی کے لئے ..... کونسل کا ہونا ضروری ہے

— Fill up the above blanks :—

Questions

1. What are the duties of a citizen ?
2. What is your idea of World Citizenship?
3. What is a village Panchayat and a municipal council? What is the duty of a citizen towards them ?
4. Why was the League of nations organised ? How did it worn out its programme.

باب ۱۰

شہریت کا انحصار

(The Civic thoughts)

ایک اچھا شہری بننے کے لئے ضروری ہے کہ شہریت کے بنیادی اصول اور اس کے خیالات کو کبھی فراموش نہ کیا جائے۔ ہمارے ہر کام اور ہر فعل میں احساس شہریت کارفرما رہے۔ حکومت اور سوسائٹی کا فرض ہے کہ وہ شہری

کے ان خیالات میں جس نے جو اُس کی شہری زندگی کی بنیاد ہیں۔ ان خیالات میں تین خاص ہیں جن کو سطور ذیل میں مفصل طور پر بیان کیا جائے گا۔ آزادی مساوات اور قومیت (Nationality) یہ تینوں شہریت کے خاص جزو ہیں۔ جب یہ تینوں چیزیں معراج کمال کو پہونچ جاتی ہیں تو شہریت مکمل شہریت بن جاتی ہے۔

آزادی (Liberty) ہر ایک شہری یہ چاہتا ہے کہ اُسے اپنے کام کرنے اور منزل مقصود تک پہنچنے میں مکمل آزادی حاصل ہو۔ آزادی کا تعلق حقوق سے ہے۔ جب کسی شخص کو کوئی حق حاصل ہو جاتا ہے تو اُس کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ اُسے اُس حق کی بنا پر کام کرنے کی آزادی ہو جو لوگ دوسرے اشخاص کے ماتحت رہ کر یا ان کی ہدایتوں کے بموجب کام کرنے کے لئے مجبور ہوتے ہیں انھیں اپنی قابلیتوں کے اظہار کا موقع نہیں ملتا۔ وہ دوسروں کی عقل کے مطابق کام کرنے کے عادی ہو جاتے ہیں اور ان کے اندر خود کام کرنے (Initiative) کی صلاحیت پیدا نہیں ہوتی۔ انسان میں کچھ قابلیتیں، صلاحیتیں اور قوتیں خداداد ہوتی ہیں۔ ہنسنا، کھیلنا، کودنا، کھانا، پینا اور چلنا پھرنا وغیرہ ہر انسان کے لئے قدرتی ہیں۔ اسی طرح کام کرنا بھی انسان کے لئے قدرتی ہے۔ ہر شخص مذکورہ بالا تمام امور میں کام کرنے کی آزادی چاہتا ہے۔ کچھ حقوق ایسے ہیں جو انسان کو بہت عرصہ سے حاصل چلے آئے ہیں۔ جیسے سرکاری سڑکوں پر چلنا، مندر، تالابوں اور پارکوں وغیرہ سے مستفید ہونا۔ اس کے علاوہ حکومت اپنا کام چلانے کی غرض سے شہریوں کو کچھ حقوق اپنی طرف سے دیدیتی ہے۔ جیسے مذہبی اور سیاسی معاملات میں آزادی، روپیہ پیدا کرنے اور اُسے

جمع کرنے کا حق، ووٹ دینے کا حق وغیرہ وغیرہ ان حقوق کی حفاظت اور
ان کے استعمال کے لئے ایک پرامن فضا کی ضرورت ہے۔ حکومت اور سماج
دونوں کا فرض ہے کہ وہ شہری کو اس کے جملہ حقوق سے پورا پورا فائدہ
اٹھانے کا موقع دے۔

مکمل آزادی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی کام کو جس طرح چاہیں کریں اور
حکومت اور سوسائٹی اس میں بالکل دست اندازی نہ کر سکے۔ جو لوگ آزادی
کا مطلب یہی سمجھتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ اگر ہر شخص کو اپنی مرضی کے مطابق کام
کرنے کا حق دیدیا جائے اور حکومت یا سماج کا اس میں کوئی دخل نہ رہے تو
فضا بہت خراب ہو جائے۔ ہر شخص اپنے ذاتی مفاد اور اغراض کے لئے دوسروں
کو کچل ڈالے۔ طاقتور لوگ کمزوروں کو بالکل دبا دیں اور سماج کا تمام نظام
درہم برہم ہو جائے۔ جو آزادی اصول اور حدود سے بے نیاز ہو وہ آزادی
نہیں کہلائی جا سکتی۔ آزادی کا حقیقی مقصد تب ہی حاصل ہوتا ہے جب ہمارے
اندر دوسرے اشخاص کے اغراض اور مفاد کا پورا پورا خیال ہو۔ ہم جس طرح
اپنے ہر کام میں آزادی چاہتے ہیں اسی طرح دوسروں کو بھی ہر کام آزادی سے
کرنے دیں۔ اس کے علاوہ ہمارے کسی فعل سے دوسروں کی آزادی میں فرق
نہ آئے۔ ایسی ہی آزادی شہری زندگی کی بنیاد ہے اور ایسی ہی زندگی سے
ملک و قوم کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

اب ہمیں یہ غور کرنا ہے کہ مملکت اور آزادی کے درمیان کیا تعلق ہے
مملکت ایک ایسی تنظیم یا جماعت ہے جو انسانی سوسائٹی کو منظم کرتی ہے۔ مملکت
کا کام یہ ہے کہ وہ تمام شہریوں کو ان کے فرائض کی ادائیگی اور حقوق کے
استعمال میں آسانیاں بہم پہنچائے۔ کچھ ماہرین کا خیال ہے کہ مملکت کا یہ فرض

ہے کہ وہ عوام کے حقوق کی حفاظت کرے اور انھیں آپس میں لڑنے اور
حیوانی طاقت کے استعمال کرنے سے روکے۔

مملکت حقوق کی حفاظت کرتی ہے اور مملکت ہی عوام کو اپنے اپنے
حقوق کے استعمال میں آزادی دیتی ہے۔ مملکت اپنی فوج، اپنے قانون اور
عدل سے انسان کے اُن رجحانات کو روکتی ہے جو اُسے سرکشی اور گستاخی
کی طرف مائل کرتے ہیں اور جس سے سماج کے امن وامان میں خلل پڑنے کا
اندیشہ ہوتا ہے۔ کچھ کام ایسے ہوتے ہیں جن کے کرنے سے انسانی سوسائٹی
کو نقصان پہنچتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص شراب پی کر عام سڑکوں پر گھومنے لگے تو
اُس کا یہ فعل قابلِ اعتراض ہوگا اور مملکت اُس کے اس کام میں دخل اندازی
کرنا ضروری سمجھے گی کیونکہ اس سے پبلک کو پریشانی اور تکلیف پہنچنے کا خطرہ
ہے اس کے علاوہ جوا کھیلنا، بازار میں فحش اور خلاف تہذیب گفتگو کرنا، یا
کوئی ایسی حرکت کرنا جو سول قانون کے خلاف ہو نامناسب ہے اور وہ مملکت
اس کی آزادی نہیں دے سکتی۔ ہر ایک مملکت کا کوئی نہ کوئی نصب العین ضرور
ہوتا ہے۔ یہ نصب العین وقت کی ضرورت کے مطابق بدلتا رہتا ہے یہ ممکن
ہے کہ مملکت یا حکومت کا نصب العین غلط یا وقت اور ضرورت کے مطابق
نہ ہو لیکن حکومت عوام کو اس کے خلاف عمل کرنے کی اجازت نہیں دیتی
اور جو لوگ اُس کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں اُن کو حکومت سزا دیتی
ہے۔ کبھی کبھی حکومت عوام کی تحریر و تقریر پر پابندی عائد کر دیتی ہے اور بعض
حالات و واقعات میں ان کو شہر میں گھومنے پھرنے یا آپس میں ملنے جلنے کی
بھی اجازت نہیں دیتی۔ لیکن معمولی حالات میں عوام کو حکومت کی طرف سے
تین قسم کی آزادی عام طور سے حاصل ہوتی ہے:-

(۱) تحریر اور تقریر کی آزادی (۲) سبھا یا میٹنگ کے ذریعے خیالات کے اظہار کی آزادی ہر ایک شہری کو آزادی کہ وہ جس جماعت یا پارٹی میں چاہے شریک ہو جائے بشرطیکہ وہ جماعت خلاف قانون نہ ہو (۳) ووٹ کی آزادی - ایک شہری آزادی سے اپنی رائے جس شخص کو چاہے دے سکتا ہے۔ مختصر یہ کہ سماج کی ترقی کے لئے آزادی کی سخت ضرورت ہے لیکن یہ آزادی ایسی قیود سے جکڑی ہوئی ہے جو دوسروں کے حقوق کی حفاظت کرتے ہیں۔

مساوات (Equality) شہریت کا دوسرا جز مساوات اور برابری ہے۔ مملکت کی نظر میں سوسائٹی کا ہر فرد برابر ہے۔ امیر غریب، شاہ و گدا، گورے کالے، ہندو مسلمان، عورت مرد سب کے ساتھ مملکت کو برابری کا برتاؤ کرنا چاہئے۔ سماج میں اونچ نیچ کی تفریق نے بہت سی سوشل خرابیاں پیدا کر دی ہیں، ہندو سماج میں لاکھوں کروڑوں انسان اچھوت کہلانے کی وجہ سے سماج کے لئے بالکل ناکارہ ہوگئے۔ اب اچھوت سماج کا ایک مفلوج حصہ ہیں یہ چھوٹے بڑے اور ادنیٰ و اعلیٰ کے امتیاز کی وجہ سے بہت سے لوگ تعلیم و تربیت سے محروم ہو گئے ہیں۔ آج کل پست اقوام کو تعلیم و ترقی کے وہ ذرائع میسر نہیں جو اعلیٰ طبقہ کو حاصل ہیں۔ مذہبی معاملات میں بھی اچھوت اور پست اقوام کے ساتھ بہت ظلم کیا گیا ہے، انھیں مندروں و عبادت گاہوں میں داخل ہو کر خدا کی پرستش کرنے کا حق نہیں وہ مذہبی تقریبوں جلسوں اور سبھاؤں میں سب کے برابر نہیں بیٹھ سکتے۔ مالی حیثیت سے تو اعلیٰ طبقہ اور اچھوت اور پست اقوام میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ہندوستان میں بہت سے آدمیوں کی اقتصادی حالت بہت خراب ہے اور بہت سے آدمیوں کی بہت اچھی ہندوستان میں اقتصادی مساوات بالکل نہیں ہے۔ سرمایہ دار اور مزدوروں

کے درمیان مستقل رسّہ کشی جاری ہے۔ سرمایہ دار اپنی دولت کے غرور میں مزدوروں کے ساتھ غیرانسانی سلوک کرتے ہیں اور اُن سے زیادہ سے زیادہ کام لیکر کم سے کم اجرت دینا چاہتے ہیں۔ مزدوروں کے اندر بھی اب بیداری پیدا ہو چکی ہے وہ اب سرمایہ داروں کے اس سلوک اور زیادتی کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اسی طرح زمیندار اور کسانوں کے تعلقات روز بروز خراب ہوتے چلے جاتے ہیں۔ زمیندار کسانوں کی کمائی کا زیادہ سے زیادہ حصہ ہڑپ کرنا چاہتے ہیں۔ کسان اپنی خون اور پسینے کی کمائی کو کس طرح آسانی سے دوسرے کے حوالہ کر سکتا ہے۔ غرض آج کل امیر اور غریب اعلیٰ اور ادنیٰ کی تفریق سماج کو کافی نقصان پہنچا رہی ہے۔ جو لوگ امیر ہیں وہ امیر ہوتے چلے جا رہے ہیں اور غریب لوگ اور بھی غریب اور مفلس ہوتے جاتے ہیں۔ اس وجہ سے سماج میں ہمدردی، برادرانہ محبّت اور باہمی اتحاد رفتہ رفتہ ختم ہوتے جا رہے ہیں۔ ادنیٰ طبقہ کو تعلیم اور ترقی کے یکساں ذرائع میسّر نہیں جس کی وجہ سے سماج کی ترقی میں بڑی رکاوٹ پیدا ہو گئی ہے۔

مساوات یا برابری کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر ایک آدمی ہر لحاظ سے دوسروں کے برابر ہے اور یہ کہ اُسے یکساں عہدہ اور یکساں تنخواہ ملنی چاہیئے اگر ایسا خیال کر لیا جائے تو قابل اور ناقابل میں کچھ امتیاز باقی نہیں رہتا جو لوگ اپنی جفاکشی، عملی سرگرمی اور دماغی قابلیت سے ایک شانِ امتیازی حاصل کر لیتے ہیں، وہ کبھی ایک معمولی مزدور کے برابر خیال نہیں کئے جا سکتے۔ اُن کی خدمات یقیناً ایک معمولی آدمی سے زیادہ قابل قدر ہیں۔ انسان اپنی خداداد قابلیتوں کے مطابق کام کرتا ہے۔ ہر شخص کا دماغی رجحان اور اُس کی قابلیتیں مختلف ہوتی ہیں۔ ایک ہی کارخانہ میں کوئی مزدور ہوتا ہے اور کوئی مستری

کوئی کلرک ہوتا ہے اور کوئی منیجر۔ اسی طرح ایک ہی کالج میں کوئی چپراسی ہوتا ہے اور کوئی دفتری۔ کوئی ماسٹر ہوتا ہے اور کوئی پرنسپل۔ ان سب کا درجہ اور ان سب کی تنخواہ یکساں نہیں ہو سکتی۔ ہر شخص کے کام اور ذمہ داری کے لحاظ سے اُس کا درجہ اور تنخواہ ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ قدرت نے سب کو یکساں قابلیتیں عطا نہیں کیں۔ اس لئے اگر ہم سب کو برابر سمجھ لیں تو سماج میں بڑی بدنظمی پیدا ہو جائے۔

دراصل مساوات کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنی قابلیتوں اور قوتوں کے استعمال کا یکساں موقعہ دیا جائے۔ کوئی شخص تعلیم سے محض اس بنا پر محروم نہ رہے کہ وہ ایک ادنیٰ طبقہ سے تعلق رکھتا ہے یا یہ کہ وہ ایک غریب آدمی ہے۔ مملکت اور حکومت کا فرض ہے کہ وہ تمام باشندوں کو ترقی کرنے کے لئے یکساں مواقع (Equal Opportunities) دے۔ یہی مساوات کی اصلی صورت ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک غریب آدمی جو اپنی غریبی اور مفلسی کی وجہ سے اُن آسانیوں اور مواقع سے جو سماج نے اُسے دیئے ہیں پورا پورا فائدہ نہیں اٹھا سکتا کیا ہمیشہ غریب ہی بنا رہے گا۔ کیا غریب آدمی ہمیشہ مصیبت کی زندگی بسر کرتا رہے گا اور کیا دولت مند آدمی ہمیشہ تک عیش و آرام کی زندگی بسر کریں گے۔ سماج کے ماتھے پر یہ کلنک کا ٹیکہ ہے کہ ایک آدمی کو پیٹ بھر کو کھانا اور تن ڈھانپنے کو کپڑے بھی میسر نہ ہوں۔ اس کے بچے کڑاکے کے جاڑوں میں ننگے پھریں اور دوسرے آدمی کے پاس دولت کا اس قدر انبار ہو کہ جس کو خرچ کرنا تو درکنار رکھنے کی بھی گنجائش نہ ہو۔ سماج محض ہر ایک شخص کو مساوی اور یکساں مواقع دیکر ہی اپنے

فرض سے سبکدوش نہیں ہو جاتا۔ کیونکہ جو لوگ ایک غریب خاندان میں پیدا
ہوتے ہیں وہ یکساں مواقع ملنے کے باوجود اُن سے پورا فائدہ نہیں
اٹھا سکتے اس لئے کہ اُن کی مالی حالت اور گھر کے ناموافق حالات اس
کی اجازت نہیں دیتے۔ اگرچہ اسکول کالج اور یونیورسٹی تمام طلباء کو تعلیم
کے یکساں مواقع دیتی ہیں تاہم بہت سے طلباء ایسے ہوتے ہیں جو باوجود
ذہین اور طباع ہونے کے تعلیمی دوڑ میں اُن لوگوں سے سبقت نہیں لیجا سکتے
جو مالی حالت میں اُن سے بہت بہتر ہیں۔ مناسب غذا کا انتظام، کتابوں
کاپیوں کی فراہمی اور حصول تعلیم کی دیگر آسانیوں کا میسر آنا اُن کے لئے
بڑا مشکل ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ امیری و غریبی کے غیر معمولی فرق کو
جہاں تک ہو سکے دور کر دیا جائے۔

اس سلسلہ میں مملکت کو ایک معمولی کنبہ کے لئے ایک معیار
(Minimum standard) ضرور قائم کرنا پڑے گا۔ مملکت
کا فرض ہے کہ وہ ایک مقررہ رقم ہر ایک کنبہ کو بطور وظیفہ کے دے
خواہ وہ مزدور ہو یا چپراسی۔ اس طرح کا ایک معیار قائم ہو جانے سے سماج
میں ایک حد تک مساوات قائم ہو جائے گی۔ مملکت کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ
غریبوں اور مزدوروں کے بچوں کی تعلیم و تربیت میں خاص توجہ دے اور
جو طلباء خاص طور سے ذہین اور ہوشیار ہیں اُن کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے
کے لئے آسانیاں بہم پہنچائے۔ اس کے علاوہ یہ خیال بھی واجب ہے کہ کسی
ملکی صنعت و حرفت میں سرمایہ داروں اور مزدوروں کو مناسب حصہ ملے
یہ نہ ہو کہ سرمایہ دار تمام منافع کے واحد مالک بن جائیں اور بیچارے
مزدور اس سے بالکل محروم رہیں۔ اس طرح سماج میں جو فرق اور امتیاز

دکھائی دیتا ہے وہ بہت کم ہو جائے گا۔ اور ہر شخص آرام و آسائش سے زندگی بسر کر سکے گا۔

Equality before law
قانونی آزادی اور مساوات قانون کی نگاہ میں ہر شخص آزاد اور برابر ہے۔ غریب۔ امیر۔ شاہ و گدا سب کے لئے ایک ہی قانون ہے۔ سب کے لئے عدالت اور کچہریاں یکساں ہیں۔ ہر ایک شخص کو کسی جرم پر ایک سی سزا ملتی ہے بشرطیکہ اس کا جرم ایک ہی نوعیت کا ہو۔ یہ قانونی برابری تمام ممالک میں پائی جاتی ہے۔

قومیت (Nationality) شہریت کا تیسرا ضروری جز حب الوطنی اور قوم پرستی ہے۔ ہر ایک شہری کے اندر اپنے ملک اور اپنی قوم کے لئے لافانی محبت ہونی چاہئے۔ اسی جذبہ سے ملک و قوم ترقی کرتے ہیں اور سماج زندہ رہتا ہے۔ قومیت کا جذبہ انسان میں کئی طرح سے پیدا ہوتا ہے۔ قومیت کا جذبہ بچوں کے دلوں میں تعلیم اور علم و ادب کے ذریعے پیدا کیا جا سکتا ہے۔ ابتدائی تعلیم میں بچوں کو قوم پرستی اور حب الوطنی کی تعلیم دی جانی چاہئے۔ ہر ایک ملک کے لٹریچر میں حب وطن کو ایک خاص درجہ حاصل ہوتا ہے۔ ملک کے نوجوانوں میں خدمت قوم اور ترقی ملک کا جذبہ ہونا چاہئے۔ اُن کا فرض ہے کہ وہ اپنے ملک و قوم کو دنیا کی نگاہ میں قابل تعظیم بنائیں۔ اُس کی ترقی و بہبودی میں دل و جان سے مصروف رہیں کیونکہ اپنے ملک کی ترقی اور عزت ہمارے لیے باعث فخر ہے۔

بعض قدرتی آسانیاں ایسی ہوتی ہیں جن کی بدولت کوئی ملک جلد ترقی کر جاتا

ہے اور وہاں قومیت کی بنیاد نہایت مضبوط ہو جاتی ہے۔ مثلاً اگر کسی ملک کے باشندے ایک ہی قوم کے ہوں، اُن کی زبان اور اُن کا مذہب ایک ہی ہو اور ایک ہی خطہ میں اُن کی نشو و نما ہوئی ہو تو اُن میں ہمدردی اتحاد اور یگانگت آسانی سے پیدا ہو جاتی ہے اور ایسا ملک بڑی جلدی ترقی کرتا ہے۔ لیکن یہ قدرتی آسانیاں ہر ایک ملک کو حاصل نہیں ہوتیں ہر ایک ملک میں کسی نہ کسی چیز کی کمی ضرور رہتی ہے۔ بعض ممالک ایسے ہوتے ہیں جن میں بہت سی قومیں آباد ہوتی ہیں جن کے مذاہب اور زبانیں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہوتی ہیں۔ ہندوستان کا شمار بھی ایسے ہی ممالک میں ہے۔ ایسے ملکوں میں اکثر باہمی نفاق اور عدم مصالحت رہتی ہے اور اگر بدقسمتی سے ایسے ممالک پر بیرونی حکومت ہو تو یہ نفاق فتنہ و فساد اور خانہ جنگیوں کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور حکومت اس کو شہ دیتی ہے کیونکہ اس کا دارومدار اسی باہمی نفاق اور عدم مصالحت پر ہوتا ہے۔ ہندوستان میں آج کل زبان کا مسئلہ، ہندوستان کے حصے بخرے کرنے کا سوال اور فرقہ دارانہ تعصب ملکی ترقی میں روڑے اٹکا رہا ہے۔ جہاں اس قسم کے پیچیدہ مسائل ہوں وہاں کا خدا حافظ ہے۔ ہمارے اندر جب تک اچھی شہریت کا احساس پیدا نہ ہوگا اُس وقت تک آپس کا نفاق دور نہیں ہو سکتا۔ ملکی ترقی کے لئے وطن کی محبت، بلند اور پاکیزہ خیالات اور اقتصادی ترقی کی ضرورت ہے۔

خلاصہ (Summary)

(۱) شہریت کے خاص اجزاء آزادی، مساوات اور قومیت ہیں۔

(۲) ہر سماج میں ہر ایک شہری کو اپنے حصول مقصد کے لئے آزادی ہونی چاہیئے لیکن وہ آزادی دوسروں کے حقوق اور دوسروں کی آزادی میں مخل نہ ہو۔ شخصی آزادی سماج کے بندھنوں کے ماتحت ہونی چاہیئے۔

(۳) مملکت اور سماج کی طرف سے سب آدمیوں کو یکساں آسانیاں حاصل ہونی چاہئیں۔

(۴) مملکت کا فرض ہے کہ وہ اُن دقتوں کو دور کرے جو غریب آدمیوں کی ترقی کے راستے میں رکاوٹ پیدا کرتی ہیں۔

(۵) ہونہار اور ذہین بچوں کی تعلیم و تربیت کا معقول انتظام کرنا مملکت کا فرض ہے۔

(۶) وطن کی محبت اور قومیت کا جذبہ شہریت کے خاص اجزاء ہیں۔ ایک زبان۔ ایک مذہب اور ایک قومیت ملک کی بنیادیں مستحکم کرتے ہیں۔

Questions

1. Express your opinion on the following Statements:-

(i) Every individual should have no interference in his liberty.

(ii) The state should take by force the property of the rich, and distribute it among the poor.

(iii) India has so many languages, religions and races. It is no nation

(The State and its functions)

مملکت (The state) گذشتہ ابواب میں بیان کیا جا چکا ہے کہ انسانی سوسائٹی میں بہت سی جماعتیں ہیں جن سے شہری کا گہرا تعلق ہے ہر ایک شہری کو اپنی جماعت کے دوسرے ساتھیوں سے مل جل کر رہنا

اگر ان میں یکتا نہ ہو گی تو ہر شخص اپنے اغراض و مقاصد کو پورا کرنے میں دوسروں کی پرواہ نہ کرے گا اور اس طرح سماج کا نظام درہم برہم ہو جائیگا۔ اس لئے اتحاد و اتفاق نظام حکومت کے لئے بہت ضروری ہے اور اسی بنا پر بعض علماء کی رائے ہے کہ جس ملک میں ایک زبان ایک مذہب اور ایک قوم ہوگی وہاں امن و امان رہے گا۔ زبان، قوم، مذہب اور تہذیب سوشل زندگی کے خاص اجزاء ہیں۔ ان اجزاء کی ترکیب سے جو مملکت وجود میں آئے گی وہ مستحکم اور پائیدار ہوگی لیکن شاذ و نادر ہی ایسے ملک ہیں جہاں مذکورہ بالا اتحاد اور اتفاق پایا جاتا ہے۔

کیا ہندوستان کو ایک مملکت کہا جا سکتا ہے؟ اس میں مملکت کے تمام آثار پائے جاتے ہیں۔ یہاں آبادی، محدود زمین اور نظام تینوں چیزیں موجود ہیں۔ اور ان میں کسی حد تک اتحاد و یکسانیت بھی پائی جاتی ہے لیکن سب سے بڑی کمی یہ ہے کہ حکومت آزاد نہیں ہے۔ مملکت کے لئے آزادی کی ضرورت سب سے پہلے ہے اس لئے ہندوستان کو مملکت نہیں کہا جا سکتا۔ گوالیار، اندور، حیدرآباد اور کشمیر وغیرہ دیسی ریاستیں بھی مملکت نہیں کہلائی جا سکتیں اس لئے کہ یہ بھی مکمل طور پر آزاد نہیں ہیں۔

مملکت کے مقاصد (The aims of state) مملکت کئی مقاصد کے لئے وجود میں آئی۔ سب سے پہلا مقصد یہ ہے کہ مملکت میں رہنے والے امن چین سے زندگی بسر کریں۔ اگر کسی ملک میں بد نظمی اور بدامنی ہے تو وہاں کے باشندے کسی کام کو اطمینان سے نہیں کر سکتے اس کے علاوہ اگر ملک میں کوئی (Decipiline) نہیں ہے تو طاقتور لوگ کمزوروں پر ظلم کریں گے۔ مصیبت کے وقت کوئی ایک دوسرے کی مدد

نہ کرونگا اس لئے ضروری ہے کہ ملک میں امن و امان اور ضابطہ ہو۔ شہریوں میں میل جول بڑھانا، اُن کے اندر باہمی ہمدردی اور محبت پیدا کرنا اور انسانی زندگی کو مجموعی طور پر خوشگوار بنانا بھی مملکت کا مقصد ہے۔ مملکت کے مختلف کاموں کی ترقی اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب کہ آپس میں میل جول اور اتحاد و اتفاق ہو۔ مذہبی اور فرقہ وارانہ جھگڑے، سرمایہ داروں اور مزدوروں میں نفاق، زمینداروں اور کسانوں میں اَن بن صرف ہمدردی اور باہمی محبت کی کمی کی وجہ سے ظہور میں آتے ہیں۔ مختلف جماعتوں اور آدمیوں کے آپس کے جھگڑوں کو نپٹے کرنا اور اُن کے ساتھ منصفانہ سلوک کرنا حکومت کا خاص مقصد ہے۔ اگر حکومت عدل و انصاف سے کام نہیں لیتی تو عوام کے دل میں اس کے لئے کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ عوام کے دل میں حکومت کی طرف عدم اعتمادی پیدا ہوتے ہی ملک کا زوال شروع ہو جاتا ہے۔ ملک کی حفاظت کرنا ویسے اندرونی و بیرونی حملوں کا خطرہ رہتا ہے اور جہاں کے باشندے ہمیشہ آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں وہاں کوئی حکومت قائم نہیں رہ سکتی۔ ملک کی حفاظت کی ذمہ داری حکومت پر ہے۔ کوئی جماعت یا کوئی اکیلا شخص ملک کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں لے سکتا۔

مملکت اور حکومت (The state and the Government)

مملکت اور حکومت کے سمجھنے میں اکثر غلطی ہو جاتی ہے اور دونوں کا مطلب ایک ہی سمجھ لیا جاتا ہے۔ مملکت سے مطلب اس محدود قطعہ زمین سے ہے جہاں بہت سے آدمی آباد ہوتے ہیں اور جن کے درمیان اتفاق و اتحاد اور ایک قسم کی تنظیم ہوتی ہے اور حکومت ایک ایسا نظام ہے جس کے ذریعہ مملکت کے مذکورہ بالا مقاصد کسی قانون یا ضابطہ

ہے۔ جمہوری حکومت کی ابتدا اسی خیال کے ماتحت ہوتی ہے۔

مملکت کے اقسام (Classes of state) وسعت کے لحاظ سے تین قسم کی مملکتیں ہوتی ہیں (۱) چھوٹی چھوٹی مملکتیں مثلاً قدیم یونان کی شہری مملکتیں (City states) جیسے ایتھنز اور اسپارٹا وغیرہ جن کی حدود میں صرف ایک شہر اور اس کے مضافات شامل تھے۔ ان میں سے کسی شہر میں مطلق العنان حکومت تھی اور کسی میں جمہوری (۲) زیادہ وسیع مملکتیں جیسے مملکت روم و برطانیہ جنکی حکومت دوسرے ممالک پر بھی تھی۔ مملکت روم نے بہت سے دوسرے ممالک کو فتح کر کے اپنے نظام حکومت میں شامل کر لیا تھا جب تک حکومت روم کا اقبال قائم رہا سلطنت برقرار رہی حکومت کا وقار ختم ہوتے ہی سلطنت پاش پاش ہو گئی۔ معمولی وسعت کی مملکتیں جو ایک ملک، ایک قوم، ایک زبان اور ایک تہذیب کے اعتبار سے بنی ہوں۔ یہ مملکتیں (National states) یعنی قومی مملکتیں کہلاتی ہیں۔ یورپ میں جرمنی، فرانس، آسٹریا اور انگلینڈ کی مملکتیں اسی اصول کے ماتحت وجود میں آئیں۔ اگرچہ ان مملکتوں کے دستور حکومت مختلف رہے لیکن قومیت کا احساس ہمیشہ قائم رہا۔ اس لئے ان میں سے ہر ملک اپنی وسعت اور ترقی کے لئے ہر وقت جدو جہد کرتا رہا اور اس مقصد کی تکمیل میں اسے اکثر ممالک سے جنگ بھی کرنی پڑی۔

شخصی حکومت (Monarchy) ارسطو اور دیگر حکما نے دستور حکومت کے اعتبار سے حکومت کی قسمیں اس طرح کی ہیں (۱) شخصی حکومت جس میں حکومت کی عنان ایک شخص کے ہاتھ میں ہو جسے بادشاہ (Monarch) کہتے ہیں۔ قدیم اور وسطی زمانے میں بہت سی حکومتیں اسی قسم کی ہوتی تھیں۔ حکومت کی ذمہ داری بادشاہ پر تھی۔ آئین حکومت بنانا، سرکاری عہدیداروں کا تقرر کرنا وغیرہ سب کچھ بادشاہ کے اختیار میں تھا۔ اگرچہ حکومت کے معاملات میں بادشاہ دیا

کی فلاح و بہبودی اور رائے عامہ کا خیال رکھتا تھا تو وہ حکومت (Constitutional monarchy) یعنی آئینی حکومت کہلاتی تھی۔ اور اگر بادشاہ اپنی مرضی کے مطابق اور رعایا کے مفاد کو نظر انداز کر کے حکومت کرتا تھا تو وہ مطلق العنان حکومت Despotic Monarchy کہلاتی تھی۔

حکومت امراء Aristocracy جس میں بڑے بڑے دولتمند امیر اور اعیان ملک بادشاہ کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لیتے تھے۔ چنانچہ ایسی حکومت کو حکومت امراء یا Aristocracy کہتے ہیں۔

حکومت جمہوری Democracy موجودہ زمانہ میں حکومت جمہوری کو بہت مقبولیت حاصل ہے۔ اسمیں انتظام حکومت عوام کے نمائندوں کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اس قسم کی حکومت آجکل امریکہ، فرانس، انگلینڈ، آسٹریلیا اور کناڈا وغیرہ ممالک میں قائم ہے۔ ان تینوں قسم کی حکومتوں کے روشن اور تاریک دونوں پہلو ہیں۔ جس طرح شخصی حکومت بگڑ کر مطلق العنان Despotic بن جاتی ہے اسی طرح امیروں کی حکومت بگڑ کر Oligarchy بن جاتی ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب امراء اور دولتمند لوگ فلاح عامہ کو بالائے طاق رکھکر اپنے ذاتی اغراض و مقاصد کی تکمیل میں ہمہ تن مصروف ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر حکومت جمہوری میں عوام کے نمائندے عوام کے فائدے اور ان کی رائے کی کوئی پرواہ نہ کر کے اپنی من مانی کرنے لگتے ہیں تو حکومت جمہوری (Anarchy) یعنی بدعملی، بدنظمی اور ہڑبونگ کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

یونیٹری حکومت - (Unitary) ملک کی وسعت کے لحاظ سے حکومت

اس امر کا خیال رکھنا چاہئیے کہ وہ نامناسب اور ناجائز نہ ہو نیز اس کے ادا کرنے میں عوام کو کوئی خاص تکلیف یا پریشانی نہ ہو۔ اگر حکومت عوام سے ناجائز یا زبردستی ٹیکس وصول کریگی تو حکومت کی بنیادیں کمزور ہو جائیں گی۔ اس کے ساتھ عوام کا بھی فرض ہے کہ وہ حکومت کے عائد کردہ ٹیکس کو بخوشی ادا کرے۔

Optional Functions لازمی فرائض

اختیاری فرائض کے علاوہ حکومت کے کچھ اور فرائض بھی ہیں۔ موجودہ زمانہ میں ہر ایک ترقی یافتہ مملکت کے مقاصد بہت بلند ہیں۔ جیسے جیسے تہذیب و تمدن ترقی کرتا جاتا ہے ویسے ویسے حکومت کے فرائض بڑھتے جاتے ہیں۔ آیندہ صفحات میں ان میں سے خاص خاص فرائض کا ذکر کیا جائے گا۔

Education

تعلیم تعلیم کی ترقی سے سماج کی ترقی ہوتی ہے حکومت کا فرض ہے کہ شہریوں کی تعلیم کا مناسب انتظام کرے۔ ابتدائی تعلیم لازمی اور مفت ہونی چاہئیے۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے جملہ آسانیاں فراہم کی جانی چاہئیں صنعت و حرفت کی ترقی کے لئے سائنس کی تعلیم اور صنعتی Technical تعلیم کا معقول انتظام ہونا ضروری ہے تاکہ ہر ایک شہری آزادانہ طور پر زندگی بسر کرنیکے قابل ہو جائے اور تعلیم کا مقصد صرف ملازمت ہی نہ رہے۔ عورتوں کی تعلیم کا بھی خاص انتظام ہونا چاہئیے کیونکہ جس ملک کی عورتیں ناخواندہ اور جاہل ہونگی وہ ملک کبھی ترقی نہیں کر سکتا۔ ملک کی ترقی کے لئے عورتوں کا تعلیم یافتہ اور خانگی معاملات میں ہوشیار ہونا نہایت ضروری ہے۔

Public health & sanitation

صحت عامہ و صفائی تعلیم کے بعد حکومت کا دوسرا خاص فرض عوام کی صحت اور صفائی کا خیال رکھنا ہے جس ملک کے باشندے بیمار اور کمزور رہیں گے۔ جہاں کے مکانات

بیماریوں کے مسکن اور جہاں کی سڑکیں گندگی اور غلاظت کے گودام بنی رہیں گی اس ملک کا زوال یقینی ہے۔ حکومت کو ایسے ذرائع مہیا کرنے چاہئیں جس سے شہر اور دیہات صاف ستھرے اور صحت بخش رہیں۔ اسکول کے طلبا کی صفائی اور صحت کا خیال انکی تعلیم سے بھی زیادہ رکھنا چاہیئے۔ عوام کے علاج معالجہ کے لئے شفاخانے اور دوا خانے قائم کئے جانے چاہئیں۔ شہروں اور دیہات میں کنوؤں اور نلوں کی صفائی کا بھی خاص خیال رکھنا ضروری ہو کیونکہ گندہ پانی پینے سے متعدد بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں

مالی ترقی Economic Progress عوام کی مالی حالت کو درست کرنا حکومت کا خاص فرض ہے۔ ملک کی دولت میں ترقی ہونے اور عوام کی اقتصادی حالت کی درستی سے ملک میں امن وچین قائم رہتا ہے اور لوگوں کی زندگی آرام سے بسر ہوتی ہے۔ جس ملک کے باشندے غریب ومفلس ہوں جنہیں پیٹ بھر کر کھانا اور تن ڈھانپنے کے لئے کپڑے میسر نہ آتے ہوں جہاں کے لوگ کھانا اور کپڑا نہ ملنے کی وجہ سے خودکشی کرنے کے لئے مجبور ہو جائیں وہاں کی حکومت قابل صد نفرین ہے۔ جو ملک اپنے کھانے کپڑے اور زندگی کی دیگر ضروریات کو پورا کرنے کیلئے دوسرے ممالک کا محتاج رہتا ہے وہ کبھی ترقی نہیں کر سکتا اور اسکی آزادی (اگر وہ آزاد ہے) غلامی سے بدتر ہے۔ لہذا ہر ایک حکومت کا فرض ہے کہ وہ اپنے ملک کی اقتصادی حالت کو درست کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش عمل میں لائے۔ ہندوستان زراعتی ملک ہے اس سے اس ملک میں زراعت کی ترقی کے لئے نہروں و بجلی کے کنوؤں وغیرہ کا معقول انتظام ہونا چاہیئے۔ ہندوستان کی گھریلو صنعت کی ترقی کی طرف بھی خاص توجہ دی جائے وہ سامان جو دوسرے ممالک سے آتا ہے یہیں کارخانے اور فیکٹریاں قائم کرکے تیار کرانا چاہیئے۔ اس سے ملک کی دولت باہر نہ جائے گی اور ملک کی مالی

ایسے ہی بہت سے پیچیدہ مسائل ہندوستان کی ترقی میں روڑا اٹکا رہے ہیں جب تک یہ سوشل خرابیاں دور نہ کی جائیں گی۔ ہندوستان کا ترقی کرنا ناممکن ہے حکومت کا فرض ہے کہ وہ ایسی سوشل اصلاح میں عوام کی مدد کرے اور انہیں آسانیاں بہم پہنچائے۔ ضرورت پڑتی ہے سوشل ترقی کے لئے اصلاحی قوانین پاس کیے جائیں۔ بہت سی ذات پات کی تفریق کی وجہ سے جو لوگ پست حالت میں ہیں اُن کی مدد کرنا اور اُن کی تعلیم و تربیت کا خیال رکھنا بھی حکومت کا فرض ہے۔

خلاصہ

(۱) مملکت ایک ایسا نظام ہے جو سماج کی مختلف جماعتوں اور پارٹیوں کو اتحاد و اتفاق کے رشتے میں باندھتا ہے۔

(۲) کسی مملکت کے لئے چار ضروری باتیں۔ (۱) آبادی (۲) محدود خطہ زمین (۳) تنظیم (۴) وحدانی شان۔

(۳) ملک کا انتظام کرنا، عدل و انصاف، حفاظت اور آپس میں اتحاد قائم رکھنا حکومت کے خاص فرائض ہیں۔

(۴) حکومت ایک مملکت کی انتظامی کل ہے۔ حکومت ایک مجلس عاملہ ہے۔

(۵) مملکت اور سماج دونوں الگ الگ ہیں۔ مملکت کا ممبر ہونا لازمی ہے اور سماج کا ممبر ہونا اختیاری۔

(۶) مملکت کے وجود میں آنے کے متعلق تین خیالات ہیں:

(۱) خدا داد (۲) قرار دادِ باہمی (۳) طاقت۔

(۷) مملکت کے اقسام حسب ذیل ہیں:

وسعت کے لحاظ سے ، شہری مملکت ، سامراج اور قومی حکومت
انتظام کے لحاظ سے ، شخصی حکومت ، حکومتِ امرا، جمہوری حکومت
دوسری قسم کی حکومت ، یونیٹری حکومت ، وفاقی حکومت

(۸) امن، حفاظت، روپیہ اور عدل حکومت کے مخصوص فرائض ہیں۔
(۹) تعلیم، صحت اور صفائی، مالی حالت کی درستی، آمد و رفت کے ذرائع، سوشل اصلاح وغیرہ حکومت کے دوسرے فرائض ہیں۔
(۱۰) شہریوں کا فرض ہے کہ وہ حکومت کے ساتھ تعاون کریں اور اس پر اعتماد رکھیں۔

Questions

1. Define a state? What are its most essential feature?
2. How do you distinguish between the state and Government state & Society.
3. What are the essential functions of a modern State?
4. What is your opinion on the following Statements :-

(i) India is a state like every other State in the world.

(ii) The State should allow its citizens full liberty and equality.

باب ۹

حکومت اور اُس کے صیغے

The Government and its Organs

حکومت (The Government) حکومت ملکی انتظام کرنے والی ایک مشین ہے۔ مملکت کے مقاصد کی تکمیل اور اُس کے انتظام کے لئے ایک مخصوص نظام کی ضرورت ہوتی ہے اسی نظام کا نام حکومت ہے۔ حکومت مملکت کی انتظامیہ جماعت ہے اسی کے ذریعہ ملک کا انتظام ہوتا ہے۔ حکومت میں چھوٹے سے چھوٹے سرکاری عہدیدار سے لیکر گورنر اور گورنر جنرل، مرکزی و صوبجاتی انتظامیہ اور قانون ساز مجلس، مجلس وزراء، لوکل بورڈ اور عدالتیں تک شامل ہیں۔ ان تمام کی مجموعی شکل کا نام حکومت ہے۔ حکومت کا اقتدار تمام ملک پر ہوتا ہے۔ حالات زمانہ کے مطابق حکومت کے نظام میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے لیکن مملکت پر اس تبدیلی سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔ حکومت مملکت کی روح ہے جس کے بغیر مملکت بےحس و حرکت رہ جاتی ہے۔ عام لوگ حکومت اور مملکت کا ایک ہی مطلب سمجھتے ہیں اُن کے نزدیک راج اور حکومت میں کوئی فرق نہیں ہوتا لیکن حقیقت میں یہ دونوں ایک دوسرے سے مختلف ہیں البتہ ایک سے دوسرے کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔ جیسے مملکت سے اُس کی حکومت کے اچھے یا بُرے ہونیکا اندازہ کیا جا سکتا ہے اسی طرح کسی ملک کی حکومت سے اس ملک کی حالت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

وحرفت ذرائع آمد و رفت (ریل، تار، جہاز) وفاقی حکومت امریکہ اور کناڈا میں ہے

حکومت کے صیغے (The organs of state) اگرچہ حکومت کا نظام بہت وسیع ہے لیکن اُسے آسانی سے ذہن نشین کرنے کیلئے حکومت کے نظام کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے (۱) نظام قانون سازی Legislature (۲) صیغۂ عاملہ Executive (۳) نظام عدل (Judiciary)

نظام قانون سازی (The Legislature) یہ صیغہ تمام ملک کے لئے قانون بناتا ہے مجلس قانون ساز کے ممبر عوام کے ذریعہ چنے جاتے ہیں۔ اس لئے شہریوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے حلقہ سے نہایت قابل تعلیم یافتہ، نیک چلن اور وطن سے محبت رکھنے والے لوگوں کو منتخب کریں جو اپنا وقت اپنے ملک اور وطن کے لئے وقف کر سکیں جمہوری حکومت میں مجلس قانون ساز کی خاص اہمیت ہے کیونکہ مجلس قانون ساز میں جو سیاسی پارٹی اکثریت میں ہوگی وہی مجلس وزراء بنانے کی حقدار ہوگی۔ اس لئے مجلس قانون ساز کے مطابق ہی مجلس عاملہ بنے گی۔ اس مجلس کے ممبران کی تعداد ہر ایک ملک میں مختلف ہوتی ہے۔ ہر ایک ملک اپنی آبادی اور ضرورت کے لحاظ سے ممبران کی تعداد مقرر کرتا ہے اور ہر ایک ملک کو آبادی کے لحاظ سے بہت سے حلقوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے جن کو (Constituency) کہتے ہیں۔ ایک حلقہ سے صرف ایک ممبر چنا جاتا ہے ممبری کیلئے کوئی شہری آزادانہ (Independent) سے یا کسی سیاسی پارٹی کے امیدوار کی حیثیت سے کھڑا ہو سکتا ہے۔

ایک مجلس یا دو مجلس والا نظام قانون سازی:۔

Unicameral or Bi-cameral Legislature

بعض ممالک میں قانون بنانے کے لئے صرف ایک مجلس ہوتی ہے جس کو Unicameral کہتے ہیں۔ لیکن آجکل زیادہ تر ممالک میں قانون بنانے کے لئے دو مجلسیں ہوتی ہیں پہلی مجلس جس کے ممبران کا چناؤ عوام کے ذریعہ ہوتا ہے Lower House or chamber کہلاتی ہے۔ دوسری مجلس کے ممبران کا چناؤ خاص خاص امراء و دولتمند آدمیوں کے ذریعہ کیا جاتا ہے Upper chamber کہتے ہیں۔ اس کا کام لوور ہاؤس کی پاس کی ہوئی تجویزوں پر دوبارہ غور کرنا ہے۔

دو مجلسوں کے فائدہ

(۱) ہر ایک بل اسی صورت میں پاس ہو سکتا ہے جب دونوں ایوان اس پر اچھی طرح غور کر لیں۔ یہ ایوان دراصل ایک قسم کے فلٹر ہیں جن میں سے ایک قانون کو گذرنا پڑتا ہے۔ دونوں ایوانوں سے پاس کئے جانے کے بعد قانون میں کسی کمی یا نقص کا امکان نہیں رہتا۔

(۲) یہ ممکن ہے کہ ایک مجلس جوش میں آ کر کسی قانون کو جلد بازی سے پاس کر دے اور اس کے نشیب و فراز پر پوری غور نہ کرے۔ اس لئے دوسری مجلس اس پر ٹھنڈے دل سے غور کرتی ہے اور جو نقائص اس میں ہوتے ہیں ان پر نظر ثانی کے لئے اسے پہلے ایوان کو واپس کر دیتی ہے۔

(۳) دوسرے ایوان کی وجہ سے ملک کے امراء اور دولتمند طبقہ کے حقوق کی حفاظت ہوتی ہے۔

(۴) یہ جاننا ضروری ہے کہ کسی تجویز کے متعلق عوام کی کیا رائے ہے۔ دوسرے ایوان میں جب تجویز پہنچ جاتی ہے تو اس وقت عوام کو اپنی رائے کے اظہار کا موقع مل جاتا ہے اور اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں تجویز یا قانون ملک کے لئے مفید ہوگا یا نہیں۔

(۵) دو ایوان کی وجہ سے کسی تجویز پر غور کرنے میں آسانی رہتی ہے یعنی بجائے دونوں ایوانوں میں الگ الگ پیش کی جاتی ہیں اور اس طرح بہت کم وقت میں کام ہو جاتا ہے۔

(۶) دونوں ایوان جب ایک دوسرے کے نقائص اور خامیوں پر نکتہ چینی کرتے ہیں تو اس سے دونوں کو غور و خوض کرنے کا موقع ملتا ہے اور کوئی تجویز ایسی پاس نہیں ہونے پاتی جو کسی طبقہ کے لئے مضر ہو۔

(۷) چھوٹا ایوان Lower House ہمیشہ نئی نئی اصلاحات کے لئے جلدی کرتا ہے۔ اس جلد بازی کی مناسب روک تھام کے لئے بڑے ایوان Upper House کی ضرورت ہے۔ جلد بازی سے پاس کئے ہوئے قوانین خام اور ناقص ہوتے ہیں۔

دو ایوانوں سے نقصان

(۱) بعض اوقات بڑا ایوان مفید اصلاحات کے پاس کرنے میں بھی روڑا اٹکاتا ہے۔

(۲) اگر دونوں ایوانوں کے اختیارات یکساں ہیں تو دو ایوان کی ضرورت نہیں ہے۔ مالی معاملات کو چھوڑ کر ہندوستان میں دونوں ایوانوں کو قریب قریب مساوی اختیارات ملے ہوئے ہیں۔

(۳) اگر ایک ایوان دوسرے ایوان کی پاس کی ہوئی تجویز کو مان لیتا ہے تو دوسرے ایوان کا وجود بالکل بیکار رہا اور اگر اسے منظور نہیں کرتا تو خواہ مخواہ روڑا اٹکانا کہاں کی عقلمندی ہے۔

(۴) جب ایک ایوان سے کام چل جاتا ہے تو دوسرے کی کیا ضرورت ہے۔ ممبروں کے سفر خرچ تنخواہ اور بھتہ میں فضول روپیہ خراب ہوتا ہے۔ ہندوستان جیسے غریب اور مفلس ملک میں اس فضول خرچی کی گنجائش نہیں ہے۔

(۵) ان ایوانوں میں بعض اوقات خواہ مخواہ کشیدگی پیدا ہو جاتی ہے اور امیروغریب طبقہ آپسیں ٹکرا جاتا ہے۔

(۶) ایک جمہوری حکومت کے لئے یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ امیروں اور غریبوں کے اندر اتنا فرق پیدا کرے۔ جمہوری حکومتوں میں امیروں اور غریبوں کا درجہ برابر ہونا چاہئے۔ یہ تفریق ملک کے لئے نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔

ہندوستان میں قانون بنانے والی مجلس کے دو حصے ہیں ایک اسمبلی اور دوسری کونسل آف اسٹیٹ۔ پہلی میں عوام کے چنے ہوئے ممبر ہوتے ہیں اور دوسری میں بڑے بڑے زمیندار جاگیردار اور دولتمند لوگ ہوتے ہیں۔ یہ دونوں مجلس قانون کی تجاویز پر غور کرتی ہیں اور دونوں مجلسوں کی منظوری کے بعد قانون بن جاتا ہے زیادہ تر ممالک میں قانون بنانے کے لئے دو مجلسیں ہوتی ہیں جن کے نام الگ الگ ہوتے ہیں۔

صیغہ عاملہ (Executive) حکومت کا دوسرا خاص صیغہ صیغہ عاملہ ہے مجلس عاملہ مجلس قانون ساز کے وضع کردہ قوانین کے مطابق ملک کا انتظام کرتی ہے۔ حکومت کا خاص صیغہ یہی ہے۔ عام طور سے جب ہم حکومت یا گورنمنٹ کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس سے ہمارا مطلب صیغہ عاملہ سے ہوتا ہے۔ اسمیں مجلس وزراء سے لیکر حکومت کے تمام کارکنان اور عہدیداران شامل ہیں جس زمانہ میں شخصی حکومت کا رواج تھا اس وقت بادشاہ اس کے تمام وزراء و امراء اور دیگر عہدیداران ملکی حکومت کہلاتے تھے۔ اس لئے اس زمانہ میں صیغہ عاملہ حکومت کا خاص جزو تھا لیکن آجکل جمہوریت کے زمانہ میں صورت حالات بدل گئی ہے۔ اب مجلس وزراء انتظام حکومت کے لئے مجلس قانون ساز کی جوابدہ ہے اور مجلس قانون ساز کی اکثریت والی پارٹی ہی مجلس وزراء بناتی

ہے۔ اس لئے مجلس قانون ساز کی اہمیت مجلس عاملہ سے بہت زیادہ ہوگئی ہے اگر
مجلس قانون ساز میں کثرت رائے سے مجلس وزراء کے خلاف عدم اعتماد کا
ووٹ پاس ہو جائے تو مجلس وزراء کو استعفیٰ دینا پڑے گا۔ اسی وجہ سے
(Sovereignity resides in legislature)
ملکی سب سے بڑی طاقت کی مالک مجلس قانون ساز ہے۔

مجلس عاملہ کی مختلف شکلیں کسی ملک کی حکومت کے مطابق ہی اُس کی
مجلس عاملہ ہوتی ہے مثلاً بادشاہی شخصی حکومت میں
اگر حکمران مطلق العنان ہے تو اُس کے مقرر کردہ وزراء مجلس عاملہ میں شریک
ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں وزراء انفرادی طور پر بادشاہ کو جوابدہ ہوتے
ہیں۔ بادشاہ جب چاہے اُن کو علیٰحدہ کر سکتا ہے۔ آئینی حکومت
Constitutional Monarchy میں مجلس وزراء چند قوانین کے
ماتحت مجلس قانون ساز کو جوابدہ ہوتی ہے۔ اگر حکومت جمہوری ہے تو بھی مجلس
وزراء کسی دستور یا ضابطے کے ماتحت بنائی اور توڑی جا سکتی ہے۔ اس طرح مجلس
عاملہ جمہوری حکومت میں دو قسم کی ہوتی ہے (۱) آئینی (Parliamentary
جیسے انگلینڈ کی (۲) صدری Presidential جیسے امریکہ میں۔

آئینی (Parliamentary) مجلس عاملہ کا مطلب یہ ہے کہ مجلس وزراء
پارلیمنٹ اور مجلس قانون ساز کو پورے طور سے جوابدہ ہو۔ مجلس وزراء Cabinet
کے ممبران مجلس قانون ساز کی کثرت رائے سے چنے جاتے ہیں۔ اُن کا لیڈر وزیر اعظم
(Prime Minister or Premier) کہلاتا ہے۔ مجلس وزراء کے
ممبران پارلیمنٹ میں بیٹھتے ہیں اور اس کے ممبران کے روبرو اپنی پالیسی اور
حکومت کے انتظامی معاملات کے متعلق سوالات کا جواب دیتے ہیں۔ اگر مجلس

قانون ساز مجلس وزرار کی پالیسی یا کسی تجویز میں عدم اعتماد ظاہر کرتی ہے تو
مجلس وزرار کو مستعفی ہونا پڑتا ہے۔ کیونکہ ان معاملات میں مجلس وزرا مجلس
قانون ساز کو جوابدہ ہوتی ہے۔

مجلس عاملہ صدری Presidential . مجلس قانون ساز کو جوابدہ
نہیں ہوتی اس کے ممبران پریسیڈنٹ کے ذریعہ مقرر کئے جاتے ہیں۔ اگر مجلس قانون ساز
مجلس عاملہ کے ممبران میں عدم اعتماد ظاہر کرے تو اس کا ان پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔
کیونکہ وہ پریسیڈنٹ کو جوابدہ ہوتے ہیں۔ اس قسم کی مجلس عاملہ امریکہ میں ہے مجلس
عاملہ پریسیڈنٹ کو انتظامی معاملات میں صلاح دیتی ہے۔ امریکہ میں وزیر اعظم کا
عہدہ اور اس کے تمام اختیارات پریسیڈنٹ کے عہدہ میں ہی شامل ہوتے ہیں۔

مجلس انتظامیہ کے کام

(۱) مجلس قانون ساز کے بنائے ہوئے قوانین کو عمل میں لانا۔

(۲) ملک کے اندر امن وامان قائم رکھنا۔

(۳) بیرونی حملوں سے ملک کی حفاظت کرنا اور ملک کے تحفظ میں ہر قسم کی امداد پہنچانا۔

(۴) بیرونی پالیسی، غیر ملکوں سے تعلقات قائم کرنا اور منقطع کرنا۔

(۵) غیر ممالک سے جنگ کرنا، صلح کرنا، صلح کی شرائط تجویز کرنا وغیرہ وغیرہ

(۶) حکومت کے عہدیداران کا تقرر و برطرفی

(Joint Responsibility)

مشترکہ ذمہ داری اور جوابدہی یعنی مجلس عاملہ میں یہ اصول عمل میں لایا جاتا
ہے کہ جب مجلس انتظامیہ کے کسی وزیر میں عدم اعتماد ظاہر کیا جاتا ہے تو صرف وہ وزیر
ہی مستعفی نہیں ہوتا جس کے صیغے سے عدم اعتماد کے رزولیوشن کا تعلق ہے بلکہ تمام
مجلس وزرار کو استعفیٰ دینا پڑتا ہے۔ اس لئے انتظام حکومت کی ذمہ داری تمام

وزیروں پر ہوتی ہے۔ اگرچہ ہر ایک وزیر اپنے صیغے یا صیغوں سے متعلق امور کا انتظام کرتا ہے لیکن خاص خاص تجاویز رزولیوشن اور اس کی پالیسی وغیرہ تمام مجلس وزراء کے سامنے پیش ہوتے ہیں جن کو کثرت رائے سے پاس کیا جاتا ہے جہاں جہاں پارلیمنٹری یا آئینی مجلس انتظامیہ کا رواج ہے وہاں مجلس وزراء کی جملہ کارروائیوں میں مشترکہ جوابدہی کا اصول کام میں لایا جاتا ہے۔

نئے آئین کے بموجب ہندوستان میں بھی ذمہ دارانہ طریقہ حکومت Responsible Government رائج کیا گیا ہے۔ مجلس قانون ساز انگلینڈ کی پارلیمنٹ کی طرح قائم کی گئی ہیں لیکن یہ مجالس دوسرے ممالک سے قدرے مختلف ہیں مرکزی اور صوبجاتی مجالس قانون ساز کا چناؤ فرقہ وارانہ طریق (Communal Representation) پر ہوتا ہے۔ رائے دہندگی ہندوستان میں ابھی بہت محدود ہے یعنی بہت تھوڑے آدمیوں کو ووٹ دینے کا حق حاصل ہے۔ اس کے علاوہ گورنر اور گورنر جنرل کے اختیارات بہت وسیع ہیں جن کی وجہ سے مجالس قانون ساز یا مجلس وزراء پوری آزادی سے کام نہیں کر سکتی۔ مجلس وزراء کے اختیارات انگلینڈ کی کیبنٹ (مجلس وزراء) کی طرح نہیں ہیں۔

نظام حکومت (Organisation of Government)

تمام ملک کا انتظام ایک مرکز سے ہوتا ہے۔ وہ مرکز دار السلطنت کہلاتا ہے اور یہاں کی حکومت مرکزی حکومت Central Govt. کہلاتی ہے صوبہ کی حکومت صوبجاتی حکومت Provincial Govt. کہلاتی ہے۔

موجودہ زمانہ میں حکومت خواہ شخصی ہو یا جمہوری اس کا انتظام مرکز اور صوبجات دونوں میں منقسم ہوتا ہے۔ صوبجاتی حکومت صوبوں کی دیکھ بھال کرتی ہے۔ صوبجاتی حکومت کے ماتحت مندرجہ ذیل صیغے اور محکمے ہوتے ہیں۔ صوبہ کا امن و امان، زمین کا

بندوبست، پولیس، تعلیم، صنعت وحرفت، مقامی حکومت، جیل، اسپتال اور زراعت وغیرہ وغیرہ۔ مجلس عاملہ مذکورہ بالا صیغوں کا انتظام کرتی ہے صیغۂ عدل میں عدالتوں کے درجے قائم ہوتے ہیں۔ وفاقی حکومت میں ہر ایک چھوٹے بڑے ملک کا انتظام اسی طریقہ پر ہوتا ہے۔

مرکزی حکومت کے ماتحت وہ صیغے ہوتے ہیں جن کا تعلق تمام ملک سے ہے جیسے (۱) ملک کا امن وامان (۲) حفاظت ملک جس میں بحری وبری اور ہوائی فوج شامل ہیں (۳) محکمہ مالیات (۴) بیرونی ممالک سے تعلقات (۵) تجارت اور صنعت وحرفت (۶) ذرائع آمدورفت (Means of Communication) (۷) تعلیم وغیرہ۔ مرکزی مجلس انتظامیہ کے ممبران مذکورہ بالا صیغوں کا انتظام کرتے ہیں اور مجالس قانون ساز کے پاس کئے ہوئے قوانین کو عمل میں لاتے ہیں۔ مجالس قانون ساز ایسے قوانین وضع کرتی ہیں جن سے ملک کی ترقی وبہبودی مقصود ہو صیغۂ عدل میں سب سے بڑی عدالت مرکزی ہوتی ہے۔

سرکاری حکام ملک کا انتظام صرف مجلس قانون ساز یا مجلس عاملہ کے ممبران کے ذریعہ ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے بہت سے سرکاری عہدیداران اور حکام کی ضرورت ہوتی ہے یہ حکام (State Servants) کہلاتے ہیں۔ گاؤں، شہر، ضلع، صوبہ اور تمام ملک کے انتظام کے لئے بہت سے ملازمین اور کارکنان کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان ملازمین کے اعلیٰ، درمیانی، ادنیٰ تین درجے ہوتے ہیں۔ ہر ایک صیغے اور محکمے کے حکام اور ملازمین الگ الگ ہوتے ہیں۔ حکومت کو اُن کے تقرر، برخاستگی، رخصت، پنشن وغیرہ سب باتوں کا انتظام کرنا پڑتا ہے حقیقت میں حکومت کی کامیابی اُس کے ملازمین اور عہدیداران کی ایمان داری، نیک نیتی، اور خلوص پر منحصر ہے۔ وزراء تو صرف پالیسی وضع کرتے اور سرسری دیکھ بھال

کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ جملہ امور کا مناسب انتظام کا انحصار سرکاری ملازمین پر ہی ہے۔ سرکاری ملازمین کا فرض ہے کہ وہ خواہ اعلیٰ ہوں یا ادنیٰ خود کو عوام کا خادم سمجھیں۔ عوام پر ظلم کرنا یا اُن پر خواہ مخواہ رعب جمانا ان کے لئے باعثِ شرم ہے۔ حکومت کا بھی فرض ہے کہ وہ اپنے ملازمین کے مفاد کا پورا پورا خیال رکھے اور اُن کے ساتھ فیاضی اور فراخدلی کا سلوک کرے۔

صیغۂ عدل Judiciary حکومت کا تیسرا خاص صیغہ عدل ہے۔ اس صیغہ کا خاص کام شہریوں کے باہمی تعلقات کو قائم رکھنا اور حکومت کے بنائے ہوئے قانون کا مناسب استعمال کرنا ہے۔ صیغہ عدل جو مجرموں اور قانون کی خلاف ورزی کرنیوالوں کو سزا دیتا ہے۔ اس کے خوف سے طاقتور کمزور پر ظلم نہیں کرسکتا۔ اگر صیغہ عدل نہ ہو تو سماج میں بڑی گڑبڑ اور بدنظمی پیدا ہو جائے اور صرف وہ لوگ ہی زندہ رہ سکیں جو طاقتور ہیں بیکسوں اور مظلوموں کی فریاد سننے والا کوئی نہ رہے۔ ان حالات میں حکومت چند روز بھی قائم نہیں رہ سکتی اس لئے حکومت کے قیام اور عوام کے امن و امان کے لئے صیغہ عدل کا ہونا بہت ضروری ہے۔ صیغہ عدل کا یہ بھی کام ہے کہ وہ قانون کی اصلیت کو واضح کرے۔ مجلس قانون ساز صرف قانون بناتی ہے لیکن اس کی حقیقی تشریح و توضیح صیغہ عدل ہی کرتا ہے۔ قانون کا صحیح منشا اور مفہوم صیغہ عدل کے بغیر معلوم نہیں ہوسکتا۔ مختصر یہ ہے کہ عدل کا صیغہ بہت اہم ہے۔

ایک منصف یا جج کے لئے ضروری ہے کہ وہ غیر جانبدار، بے تعصب اور بے حرص ہو۔ لالچی، رشوت خور، متعصبی اور تنگ خیال حاکمانِ عدل عوام کو سخت نقصان پہنچاتے ہیں۔ اگر جج کے اندر فرقہ وارانہ تعصب ہے یا وہ کسی لالچ، خوف یا اپنے ذاتی اغراض کی بناء پر انصاف کا خون کرتا ہے تو اس گناہِ عظیم کی پاداش

میں وہ قہر خداوندی کا مستوجب ہوگا۔ عدل اور انصاف خدائی صفات میں سے ہیں۔ اس مقدس چیز کو دنیوی لالچ یا مذہبی تعصب سے ناپاک کرنا گناہ عظیم ہے۔ ایک جج کو بہت تجربہ کار، قابل اور نیک اعمال ہونا چاہیئے۔ اس کے علاوہ صرف وہی اشخاص اس عہدہ کے اہل ہیں جو باہمہ صفت موصوف ہونے کے علاوہ اعلیٰ درجہ کے قانون داں اور مدبر ہوں۔

حاکم عدل پر مجلس عاملہ Executive کا دباؤ نہیں ہونا چاہیئے صیغہ عدل جتنا اپنے اختیارات میں آزاد ہوگا اتنا ہی غیر جانبدار اور انصاف پسند ہوگا۔ اسی وجہ سے جمہوری حکومت میں عدل کا تقرر مجلس قانون ساز یا صدر مملکت Head of the State کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اس کی میعاد مقرر ہوتی ہے۔ میعاد سے پہلے کوئی جج بشرطیکہ کوئی جرم شدید نہ کیا ہو اپنے عہدہ سے الگ نہیں کئے جا سکتے۔ اگر رشوت لینے یا کوئی شدید جرم کرنے کی بنا پر دونوں مجالس قانون ساز عدم اعتماد کی تجویز پاس کر دیں تو اس صورت میں حاکم عدالت کو الگ کیا جا سکتا ہے۔ ہندوستان کا سب سے بڑا حاکم عدل ملک معظم کے ذریعہ مقرر کیا جاتا ہے۔

حکومت کے تینوں صیغوں کا باہم تعلق (Relation between the three Organs of the State)

حکومت کے ان تینوں صیغوں کے درمیان گہرا تعلق ہے تینوں کا مقصد ایک ہی ہے یعنی ملک کا عمدہ انتظام کرنا، شہریوں کے حقوق کی حفاظت کرنا، ان کے فرائض کی انجام دہی میں آسانیاں پیدا کرنا اور ملک کو خوش وخرم، فارغ البال اور خوشحال بنانا، ان تمام مقاصد کی تکمیل اسی صورت میں ہو سکتی ہے جبکہ حکومت کا ہر ایک صیغہ اپنی ذمہ داری کو محسوس کرے اور دوسرے

صیغوں کے کام میں روڑا نہ اٹکائے۔ اس کے علاوہ تینوں صیغوں کے درمیان تعاون اور اتفاق ہونا ضروری ہے۔ اس کے بغیر حکومت کا کام نہیں چل سکتا فرض کرو مجلس قانون ساز ایک قانون بنائے مگر مجلس عاملہ اُس قانون کو مناسب طور سے عمل میں نہ لائے تو وہ قانون برائے نام رہے گا اور اس کا وجود صرف کاغذی ہوگا۔ اس کے علاوہ دونوں صیغوں میں کشیدگی پیدا ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر صیغہ عدل کوئی فیصلہ صادر کرے اور مجلس عاملہ اسے تسلیم نہ کر کے دخل اندازی کرے تو عوام میں بدنظمی اور حکومت کے کاموں میں انتشار پیدا ہو جائے گا۔ اس لئے تینوں صیغوں میں تعاون اور اتحاد و اتفاق کی ضرورت ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ تینوں صیغے اپنے دائرہ عمل میں بالکل آزاد اور خود مختار ہونے چاہئیں۔

ہندوستان میں اگرچہ نئے آئین کے مطابق کچھ اصلاحات ہوئی ہیں تاہم طاقت کی تقسیم کا اصول ابھی عمل میں نہیں لایا گیا۔ ابھی تک مجالس قانون ساز کے اجلاس میں مجلس عاملہ کے ممبران کافی تعداد میں شریک ہوتے تھے جس سے مجالس قانون ساز کی کارروائی میں اُن کا کافی دخل تھا۔ اور وہ اپنے حسب منشاء قوانین پاس کرا لیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ صیغہ عدل بھی ابھی تک پورے طور سے آزاد نہیں ہے۔ ضلع میں مال اور فوجداری کی عدالتیں حاکم ضلع کے ماتحت کام کرتی ہیں اور اس وجہ سے ضلع کے حاکموں کا عدالتوں پر کافی دباؤ رہتا ہے۔ ہندوستان کے سیاسی رہنما بہت عرصہ سے یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ صوبہ کی تمام عدالتیں صوبہ کے سب سے بڑے حاکم عدل (چیف جسٹس) کے ماتحت ہونی چاہئیں اور یہ کہ صیغہ عدل اور صیغہ عاملہ دونوں کو آزادانہ طور سے کام کرنے کی اجازت ہونی چاہئے۔

خلاصہ (Summary)

(۱) مجلس عاملہ ہی حکومت کا انتظام کرتی ہے۔ اور وہی اصلی معنی میں حکومت ہے۔

(۲) حکومت کی شکل ویسی ہی ہوتی ہے جیسی مملکت کی۔

(۳) حکومت کے اقسام شخصی حکومت Monarchical حکومت امراء Aristocracy حکومت جمہوری
یونیٹری Unitary وفاقی (Federal)

(۴) حکومت کے تین خاص شعبے ہیں شعبہ قانون سازی Legislature شعبہ عاملہ Executive شعبہ عدل Judiciary

(۵) مجلس عاملہ مجلس قانون ساز کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق حکومت کرتی ہے۔ اور اس کو ہی جوابدہ ہوتی ہے۔

(۶) حکومت کی تمام طاقت مجلس قانون ساز میں ہوتی ہے۔ زیادہ تر ممالک میں دو مجالس قانون ساز ہوتی ہیں۔

(۷) حکومت جمہوری کی مجلس عاملہ مجلس قانون ساز کی اکثریت والی پارٹی کے ذریعہ بنائی جاتی ہے۔ حکومت میں دو قسم کی مجلس عاملہ ہوتی ہے (۱) آئینی (Parliamentary) جو مجلس قانون ساز کو جوابدہ ہوتی ہے۔ (۲) صدری Presidential جیسی امریکہ میں ہے یہ پریسیڈنٹ کو جوابدہ ہوتی ہے۔

(۸) آئینی حکومت Parliamentary Govt. میں وزیروں کی مشترکہ ذمہ داری (Joint Reponsibility) ہوتی ہے۔

(۹) وفاقی سوراجیہ جیسے دیہات کی پنچایت، میونسپلٹی، ڈسٹرکٹ بورڈ وغیرہ

حکومت کا خاص جزو ہے۔

(۱۰) صیغہ عدل حکومت کا خاص جزو ہے وہ ملک کے قوانین کو عمل میں لانا اور عوام کے حقوق کی حفاظت کرتا ہے منصف بے تعصب، قابل اور آزاد ہونا چاہیئے۔

Questions

1. What is a government, and what is its forms?
2. Explain the following :-
   Constitutional government; Responsible government; Parliamentary Executive; Presidents' Executive.
3. What is a democracy? why is this form of government the most popular in the modern age?
4. What is the importance of local-self government in a modern State?
5. What is the importance of judiciary in a Country? what Conditions are necessary to make the judges independent, and impartial.

باب ۱۰

دستورالحکومت، قانون اور حق ووٹ

Constitution, Law and Franchis.

دستورالحکومت (Constitution)

تعریف دستورالحکومت نظام مملکت کا خاص حصہ ہے۔ علماء نے اس کی تعریف مختلف طریقوں سے کی ہے۔ دستورالحکومت ایسا دستور اور ضابطہ ہے جس کے ذریعہ تمام شہری ایک رشتہ میں بندھ جاتے ہیں۔ لارڈ برائس کے خیال کے مطابق دستورالحکومت اُن آئین کو کہتے ہیں جو حکومت کی تنظیم اور شہریوں کے اُن حقوق و فرائض کی توضیح کرتے ہیں جن کا تعلق مملکت سے ہے۔

اگر ہم مذکورہ بالا تعریفات کا بنظر غور مطالعہ کریں تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ ان کے اندر ایک ہی اصول کارفرما ہے اور ظاہری اختلاف کے باوجود ان کے اندر باطنی مشابہت موجود ہے۔ مختصر الفاظ میں اتنا کہا جا سکتا ہے کہ دستورالحکومت شہریوں کے حقوق و فرائض اور حکومت کے مکمل نظام اور اس کے ڈھانچے سے بحث کرتا ہے۔

آئین یا دستورالحکومت کے فوائد Advantages of Constitution

(۱) حکومت کے تینوں صیغوں کا باہم تعلق اور اُن کے الگ الگ فرائض سے مکمل معلومات حاصل کرنے کے لئے دستور الحکومت کا ہونا ضروری ہے۔

(۲) کسی ملک کی حکومت کس قسم کی ہے اُس کی اصلی شکل کیا ہے۔ وہ شخصی ہے یا جمہوری، اس کی مجلس عاملہ آئینی ہے یا کسی دوسری قسم کی اور اسی طرح کی بہت سی باتیں معلوم کرنے کے لئے آئین حکومت کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ حکومت کی ساخت اور بناوٹ کا صحیح علم بھی اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب کہ آئین کے ذریعہ اسے واضح کر دیا گیا ہو۔

(۳) سرکاری عہدیداران کو اپنے فرائض کا پورا علم ہونا چاہئے۔ گورنر جنرل سے لیکر گاؤں کے پٹواری تک جملہ عہدیداران اگر اپنے حقوق و فرائض سے بخوبی واقف ہیں تو آپس میں اختلاف پیدا نہ ہوگا۔ یہ واقفیت آئین حکومت کے ہی ذریعہ ہوتی ہے۔

(۴) ایک مقررہ اور منضبط دستور الحکومت سے سب سے زیادہ فائدہ شہریوں کو پہنچتا ہے۔ اس کے ذریعہ انہیں اپنے حقوق و فرائض کے متعلق پوری واقفیت حاصل ہو جاتی ہے۔ حکومت کے ہر ایک صیغہ میں شہریوں کے حقوق اور فرائض کی تشریح و توضیح کی ضرورت ہے۔ آج کل حکومت جمہوری میں عوام کے تعاون کی سخت ضرورت ہے۔ اس لئے ہر ایک صیغہ میں بذریعہ آئین یہ بات واضح ہونی چاہیئے کہ شہری کس طرح اور کس شکل میں ملکی انتظام میں بخوبی مدد دے سکتے ہیں۔

دستور الحکومت کی خصوصیات

(۱) آئین حکومت نہایت صاف اور واضح ہونا چاہیئے تا کہ ہر ایک اصول اور قاعدہ بخوبی سمجھ میں آجائے اور اُس کے بارے میں کسی قسم کی غلط فہمی یا

پیچیدگی پیدا نہ ہو۔ اگر دستورالحکومت مبہم ہے یا اس سے بہت سے معنی نکالے جاسکتے ہیں تو اسے عملی شکل دینے میں بڑی دقتیں پیدا ہوں گی۔ (۲) دستورالحکومت مکمل Complete ہونا چاہئے تاکہ کوئی شعبہ ایسا نہ رہ جائے جس کے عہدیداران اپنے حقوق و فرائض سے ناواقف رہیں (۳) دستورالحکومت آسان اور مختصر ہونا چاہئے اس میں غیر ضروری آئین یا قواعد نہ ہوں۔ سب سے ضروری بات یہ ہے کہ دستورالحکومت کی ساخت میں ایک نیک جذبہ موجود ہو جو سرکاری ملازمین، عہدیداران اور شہریوں کو اپنے فرائض کی انجام دہی کے لئے اکساتا ہے۔ اگر سب لوگوں میں بے غرضی اور خدمت ملک کا جذبہ پیدا ہو جائے تو دستورالحکومت تمام نقائص سے پاک وصاف ہو کر ایک مفید ترین شکل اختیار کرلے۔

دستورالحکومت کی مختلف شکلیں (Forms of Constitution)

دستورالحکومت ملک کے رسم و رواج آب و ہوا اور دیگر حالات و واقعات کو مدنظر رکھتے ہوئے بنایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام ممالک کا دستورالحکومت یکساں نہیں ہوتا جس طرح ایک ہوشیار درزی جسم کے تمام اعضا کی مناسب ناپ تول کے بعد کپڑا سیتا ہے اسی طرح دستورالحکومت بنانے والے اس ملک کے جملہ حالات و واقعات کا بخوبی جائزہ لینے کے بعد دستورالحکومت تیار کرتے ہیں۔ اس لئے اگر ایک ملک کا دستورالحکومت دوسرے ملک میں رائج کیا جائے تو وہ وہاں اسی طرح ناموزوں رہے گا جس طرح ایک شخص کا لباس دوسرے شخص کے جسم پر۔

تحریری اور روایتی دستورالحکومت (Written and Unwritten Constitutions)

زیادہ تر ممالک میں عام طور سے دو قسم کا دستور الحکومت ہوتا ہے۔ ایک تحریری اور دوسرا غیر تحریری یا روائتی۔ موجودہ زمانہ میں ہر ایک حکومت اپنے آئین یا دستور کو تحریری شکل میں رکھنا پسند کرتی ہے۔ انتظام کا کام بہت بڑھ جانے کی وجہ سے تمام صیغوں کے طریق کار اور ان سے متعلق عہدیداران کے فرائض کو بخوبی واضح کر دینے کے لئے تحریری دستور الحکومت کی ضرورت ہے۔ اسی وجہ سے امریکہ کناڈا، فرانس اور روس وغیرہ ممالک میں تحریری دستور الحکومت ہے ہندوستان کا دستور الحکومت بھی تحریری ہے جو برٹش پارلیمنٹ کے قوانین کے ماتحت بدلتا رہتا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ ممالک ایسے ہیں جہاں کوئی خاص تحریری دستور الحکومت نہیں ہے اور انتظام حکومت اُن رسم و رواج کے مطابق چل رہا ہے جو وقتاً فوقتاً بنتے چلے آئے ہیں۔ لیکن حقیقت میں ایسا کوئی ملک نہیں ہے جہاں غیر تحریری یا روائتی دستور الحکومت ہو بلکہ اکثر دستور الحکومت تحریری اور روائتی دونوں ملے جلے ہوتے ہیں۔ صرف فرق اتنا ہے کہ جو دستور الحکومت زیادہ تر تحریری ہوتا ہے اُسے ایک درجہ میں اور جو زیادہ تر روائتی ہوتا ہے اسے دوسرے درجہ میں رکھا جاتا ہے۔

بدلنے والا اور نہ بدلنے والا دستور الحکومت + Flexible + R

Rigid Constitution تبدیلی قبول کرنے یا نہ کرنے کے اعتبار سے بھی آئین حکومت کی دو قسمیں کی جا سکتی ہیں۔ تغیر و تبدیل قدرت کا قانون ہے۔ حکومت، زمانہ، تہذیب اور زبان سب میں تغیر ہوتا رہتا ہے۔ زمانۂ قدیم کے ہندوستان اور زمانۂ وسطی کے ہندوستان میں کافی فرق تھا۔ اور زمانۂ موجودہ کا ہندوستان زمانۂ وسطی سے بالکل مختلف ہے۔ ہندوستان ہی نہیں بلکہ تمام ممالک امریکہ، انگلینڈ

جاپان اور جرمنی وغیرہ کی یہی صورت ہے۔ اس لئے آئین حکومت ایسا ہونا چاہئے
جو زمانہ کے انقلاب کا اثر قبول کر سکے۔ آئین حکومت کی ساخت ایسی ہونی چاہیئے
کہ ضرورت کے وقت اس میں ترمیم یا تبدیلی کی جا سکے۔ ایسے آئین حکومت کو
ہم تغیر پذیر، بدلنے والا یا ملائم Flexible کہتے ہیں۔ اس کے برعکس
جو آئین حکومت اس اصول پر بنایا جائے کہ اس میں آئندہ کسی تغیر و تبدل کی گنجائش
ہی نہ ہو یا اگر ہو تو سخت مشکلات کے بعد ایسے نہ بدلنے والا یا Rigid.
دستور الحکومت کہتے ہیں۔ ایسا دستور الحکومت امریکہ کا ہے۔ اس Constitution.
میں ابتدا ہی سے ایسی مشکلات اور پیچیدگیاں ہیں کہ اس میں تبدیلی ہونا مشکل ہے۔
انگلینڈ کا دستور الحکومت پارلیمنٹ کے قوانین کے ذریعہ بدل سکتا ہے۔ فرانس کا
آئین حکومت سب سے زیادہ تغیر پذیر ہے۔ ہندوستان کا نظام حکومت برٹش
پارلیمنٹ کے ذریعہ بدل سکتا ہے۔

قدرتی اور مصنوعی دستور الحکومت (Natural & Artificial Constitution)

ایک دوسرے خیال سے بھی دستور الحکومت کی دو قسمیں کی جا سکتی ہیں۔ کچھ ملکوں کا
آئین حکومت وقت کی ضرورت کے مطابق ترقی کرتا رہتا ہے۔ یہ ترقی قدرتی ہے
اور اس لئے اس دستور الحکومت کو قدرتی کہتے ہیں۔ انگلینڈ کا دستور حکومت قدرتی
ہے اور بتدریج ترقی کر کے موجودہ حالت تک پہنچا ہے۔ انگلینڈ کے دستور الحکومت
کو جمہوری شکل میں لانے کے لئے انیسویں اور بیسویں صدی میں متعدد قانون پاس
ہوئے۔ اس کے برعکس امریکہ، کناڈا، جنوبی افریقہ وغیرہ میں جب برٹش نو آبادیات
قائم ہوئیں تو ان کا طرز حکومت کسی پرانے اصول پر نہیں بنا بلکہ از سر نو بنایا گیا
اس لئے ایسے دستور حکومت کو مصنوعی (Artificial) کہتے ہیں۔ ہندوستان

کا دستور الحکومت اگرچہ ۱۰۰ سال سے تبدیج ترقی کرتا آرہا ہے تاہم اسے قدرتی نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ ہندوستان کی حینفہ قانون ساز کے ذریعہ نہیں بنایا گیا۔ اور نہ ہندوستان کے مخصوص حالات و واقعات کا اس پر پورا اثر پڑا۔ یہ برٹش پالیسی کے مطابق پارلیمنٹ کے ذریعہ تیار کیا گیا ہے اس لئے یہ مصنوعی Artificial ہے۔

بہترین دستور الحکومت (Ideal Constitution)

یہ کہنا بڑا مشکل ہے کہ کونسا طرز حکومت بہترین ہے۔ جو طرز حکومت ایک ملک کے لئے نہایت مفید ہے۔ وہ دوسرے کے لئے مضر ثابت ہوسکتا ہے۔ اس لئے کوئی ایسا معیاری طرز حکومت قائم نہیں کیا جا سکتا جو سب کے لئے یکساں طور پر مفید ہو۔ البتہ کچھ بنیادی اصولوں پر جو ہر وقت اور ہر ملک میں مفید تسلیم کئے گئے ہوں ہر ایک ملک کے دستور الحکومت کا خاکہ تیار کیا جا سکتا ہے۔ پرانے طرز کی شخصی حکومت اب پسند نہیں کی جاتی چھوٹے چھوٹے ممالک میں یونیٹری حکومت مفید ثابت ہوگی لیکن بڑے بڑے ملکوں کے لئے جن میں بہت سی ریاستیں یا صوبے شامل ہیں۔ وفاقی (Federal) حکومت زیادہ مناسب ہے تاکہ اندرونی معاملات میں ہر ایک صوبہ یا ریاست کو آزادی حاصل ہو اور بیرونی ریاست کے مفاد سے تعلق رکھنے والے معاملات میں مرکزی حکومت سے کام لیا جائے آج کل وفاقی حکومت کی طرف زیادہ دھیان دیا جا رہا ہے۔ ہندوستان کی حکومت اب تک یونیٹری رہی ہے لیکن ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کے بموجب یہاں بھی وفاقی حکومت کا اصول تسلیم کر لیا گیا ہے اور اسے عملی شکل لانے کی کوشش کی جارہی ہے۔

قانون (The Law)

قانون سماج کے اُن اصول و قواعد کو کہتے ہیں جو شہریوں کے باہمی تعلقات اور ان کے حقوق و فرائض کی توضیح کرتے ہیں۔ قانون کے ذریعہ شہریوں کو یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ حکومت کے ساتھ ان کے کیا فرائض ہیں۔ اس کے علاوہ قانون شہریوں کے جملہ حقوق کی حفاظت کرتا ہے۔ اگر قانون نہ بنایا جاتا تو کوئی کسی کی پرواہ نہ کرتا اور Might is Right یعنی جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا اصول کام میں لایا جاتا۔ اس لئے قانون کا سب سے بڑا مقصد عوام کے حقوق کی حفاظت کرنا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی قانون یا ضابطہ موجود نہ ہونے کی شکل میں کوئی شہری اپنے فرائض کو سماج یا حکومت کے ساتھ بخوبی انجام نہ دے سکتا اس لئے قانون کا دوسرا مقصد شہریوں کو اپنے فرائض بخوبی انجام دینے کے لئے اکسانا اور رغبت دلاتا ہے۔ حکومت کی نیک نامی اور اس کا اقتدار قانون پر ہی منحصر ہے۔ اگر حکومت کا قانون منصفانہ ہے تو عوام کے دل میں حکومت کے لئے کافی گنجائش اور محبت پیدا ہو جاتی ہے اور اگر قانون سخت ہے تو حکومت کے خلاف بغاوت کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اگر حکومت اپنا وجود اور ملک میں خوشحالی اور امن و امان چاہتی ہے تو اس کے قوانین کی بنیاد انصاف، سچائی اور فراخدلی پر ہونی چاہئے۔

قانون اور آزادی (Law and Liberty)

موجودہ زمانہ میں انسان خود کو قوانین سے اتنا جکڑا ہوا پاتا ہے کہ بعض اوقات اسے یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ شکنجہ میں کسا ہوا ہے۔ بچپن سے لے کر بڑھاپے تک زندگی کے ہر ایک شعبہ میں، حکومت کے ہر ایک صیغے میں، کھانے

پینے، کھیلنے کو دے، لکھنے پڑھنے، تجارت، ملازمت، غرض ہر کام اور ہر فعل میں اُس پر کچھ نہ کچھ پابندیاں عائد ہیں۔ اُس کی ہر حرکت کسی قانون یا قاعدے کے ماتحت ہوتی ہے۔ حکومت کے قوانین اور سوسائٹی کے اصول و قواعد قدم قدم پر اُس کی نگرانی کرتے ہیں کہ کہیں وہ اُن کی حدود سے باہر تو نہیں جا رہا ہے ایسی صورت میں یہ خیال ہونے لگتا ہے کہ انسان ایک پرندے کے مانند ہے جو ایک قفس میں مقید ہے، اور یہ کہ آزادی ایک ڈھکوسلہ ہے، لیکن یہ خیال ایک حد تک غلط ہے۔ آزادی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اُس پر کسی قسم کی روک ٹوک نہ ہو اور انسان کا ہر کام اُس کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے۔ حقیقت میں آزادی اسی وقت تک آزادی ہے جب تک اُس کا اثر دوسرے لوگوں کی آزادی اور حقوق پر نہیں پڑتا اگر شخصی آزادی دوسروں کی آزادی میں خلل انداز ہوتی ہے تو سماج کا نظام قائم نہ رہ سکے گا۔ شخصی آزادی کے بے لگام اور بے روک ٹوک ہونے کی صورت میں چور، ڈاکو، امیر، طاقتور اور ظالم لوگ اُس سے ناجائز فائدہ اٹھا کر خلق خدا کی زندگی دشوار کر دیں گے۔ قانون کا مقصد سماج میں امن و امان قائم رکھنا اور ہر شخص کو آرام و آسائش سے زندگی بسر کرنے کا موقع دینا ہے۔ اس لئے قانون اور آزادی میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ بلکہ آزادی کے لئے قانون اتنا ہی ضروری ہے جتنا ایک سپاہی کے لئے ہتھیار۔

قانون کے اقسام (Kinds of Law)

عام طور سے جب ہم قانون کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو ہمارا مطلب سرکاری قانون سے ہوتا ہے یعنی وہ قانون جو حکومت وضع کرتی ہے اور جس کے ذریعہ شہریوں کو ان کے حقوق و فرائض کا علم ہوتا ہے۔ سرکاری قانون شہریوں کو ان کے فرائض کی انجام دہی کے لئے رغبت دلاتا یا مجبور کرتا ہے نیز ان کاموں سے منع کرتا ہے

جن سے دوسروں کو نقصان پہنچا ہو یا پہنچنے کا احتمال ہو۔ تعزیرات ہند (Indian Penal code) جو ہندوستان کے قوانین فوجداری کا مجموعہ ہے شہریوں کو ایسے کام کرنے سے منع کرتا ہے جو سماج میں قابل نفرت خیال کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح سیاسی معاملات سے متعلق کچھ قوانین ہوتے ہیں جن کو (Political Laws) سیاسی قوانین کہتے ہیں۔ ان میں سے کچھ تو شہریوں کے اُن حقوق کی توضیح و تشریح کرتے ہیں جن کو حکومت تسلیم کر چکی ہے۔ مثلاً اگر حکومت تسلیم کرلے کہ غیر ذات برادری میں شادی کرنا مناسب ہے تو اس حق کا استعمال کرنا یا عمل میں لانا شہری کی مرضی پر منحصر ہے۔ حکومت کا کام تو صرف اجازت دینا تھا۔ اس قسم کے قوانین اجازت نامہ Permission کہلاتے ہیں لیکن حکومت کے قوانین زیادہ تر احکام ORDERS کی شکل میں ہوتے ہیں جن کی پابندی کرنا شہریوں کا فرض ہے اور جن کی خلاف ورزی کرنے پر وہ سزا کے مستوجب ہوتے ہیں۔

سیاسی قوانین کے علاوہ کچھ اور قوانین بھی ہوتے ہیں جن کو اخلاقی قوانین Moral Laws کہتے ہیں۔ یہ قوانین نہ حکومت کے ذریعہ بنائے جاتے ہیں اور نہ اس کے ذریعہ عائد کئے جاتے ہیں۔ یہ قوانین معاشرتی زندگی میں کام میں لائے جاتے ہیں۔ ان قوانین کا اثر ہمارے آپس کے تعلقات پر کافی پڑتا ہے۔ سچ بولنا، برے کاموں سے پرہیز کرنا، ماں باپ کی خدمت اور اطاعت کرنا، جانداروں پر رحم کرنا، بزرگوں کی عزت کرنا، چھوٹوں سے محبت کرنا وغیرہ وغیرہ سب اخلاقی قوانین ہیں۔

سماج یا سوسائٹی کی اصلاح و ترقی کے لئے جو اصول و قواعد بنائے جاتے ہیں وہ سوشل قوانین Social Laws کہلاتے ہیں۔ سماج کی خدمت کرنا،

اخلاقی اور سوشل خرابیوں کو دور کرنا۔ یتیم، بیواؤں کی مدد کرنا وغیرہ وغیرہ ان قوانین کا حکومت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اور نہ ان کی خلاف ورزی کرنے پر کوئی سزا ملتی ہے لیکن اگر سوشل خرابیاں خطرناک حد تک پہونچ گئیں ہیں تو حکومت خود بھی کوئی قانون ان کی اصلاح کے لئے بنا دیتی ہے۔ مثلاً بچپن کی شادی کے خطرناک نتائج پر غور کر کے حکومت نے بھی عوام کے ساتھ اس کے روکنے کیلئے کوشش کی اور ایک قانون بنا دیا جس کی رُو سے ۱۸ سال سے کم عمر کے لڑکے اور ۱۶ سال سے کم عمر کی لڑکی کی شادی نہیں کی جاسکتی۔ اسی طرح گورنمنٹ نے یہ بھی اجازت دیدی کہ کوئی شخص کسی غیر ذات میں شادی کر سکتا ہے۔

قانون اور سزا (Law and Punishment) سیاسی قوانین کی خلاف ورزی کرنے کی صورت میں سزا ملتی ہے۔ اگر قانون کی خلاف ورزی کرنے پر سزا کا خوف نہ ہو تو بہت تھوڑے سے آدمی قانون کی پابندی کریں حقیقت تو یہ ہے کہ جب تک سزا کا خوف نہ ہو کوئی شخص اپنے فرائض کو بخوبی انجام نہیں دیتا۔ دنیا میں بہت تھوڑے انسان ایسے ملیں گے جو بغیر کسی سزا کے خوف کے اپنے ضمیر کی ہدایت کے بموجب اپنے فرائض انجام دیتے ہیں۔ سزا کے خوف کے بغیر نہ تو عام آدمی اپنے فرائض کو انجام دیتے ہیں اور نہ دوسروں کے حقوق کا خیال رکھتے ہیں سزا کے قوانین بھی وقت اور ضرورت کے مطابق بدلتے رہتے ہیں پہلے سزا کا مطلب مجرم سے انتقام لینا تھا۔ دوسرا مقصد مجرم کو سزا دیکر عوام کے دل میں خوف پیدا کرنا تھا تاکہ دوسرے لوگ اس سے سبق لیں اور خود کوئی ایسا جرم نہ کریں لیکن تہذیب کے بدلنے کے ساتھ ساتھ اب سزا کا مقصد بھی بدل گیا۔ مجرم کو سزا دیکر اس سے انتقام لینا یا دوسروں کیلئے عبرتناک مثال پیش کرنا کچھ بلند مقصد نہیں ہے اس سے مجرم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا

بلکہ اس کا ضمیر ہمیشہ کے لئے گناہ آلودہ ہو جاتا ہے۔ آج کل سزا کا مقصد مجرم کی
اصلاح کرنا ہے تاکہ وہ غلط راستہ سے ہٹ کر صحیح راستہ پر آجائے اور آئندہ کے لیے
جرم کا مرتکب نہ ہو۔ اب قیدیوں کے ساتھ پہلے جیسی سختی نہیں کی جاتی۔ اُن کے کھانے،
کپڑے اور علاج معالجہ کا بندوبست سرکار کی طرف سے کیا جاتا ہے۔ سزا بھی
زیادہ سخت نہیں دیجاتی کیسی کسی ملک میں تو سزائے موت بالکل بند کر دی گئی
ہے قیدیوں کو ایسی دستکاری اور صنعت وحرفت کی تعلیم دی جاتی ہے جس کے
ذریعہ وہ آسانی سے اپنی روزی کما سکیں اور پیٹ بھرنے کے لئے جرائم کے
مرتکب نہ ہوں۔

حق ووٹ (Franchise)

Franchise پیشتر بیان کیا جا چکا ہے کہ شہری کے بہت
حق ووٹ سے حقوق ہیں۔ جن میں سے ایک رائے دینے یا ووٹ دینے کا
حق ہے جسے حق رائے دہندگی یا حق ووٹ کہتے ہیں۔ ہم روزانہ کسی نہ کسی معاملہ
میں رائے دیتے ہیں لیکن اسے حق رائے دہندگی نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ ضروری
نہیں ہے کہ ان معاملات میں ہماری رائے مان ہی لی جائے۔ کبھی کبھی اُسے رد بھی
کر دیا جاتا ہے۔ سیاسی زبان میں حق رائے دہندگی کا مطلب سیاسی معاملات
میں رائے یا ووٹ دینا ہے۔ آج کل سب سے اہم سیاسی کام قانون بنانا ہے
قانون ہمارے ہی نمایندوں کے ذریعہ بنایا جاتا ہے۔ نمایندوں کا انتخاب
کرنے کے لئے تمام شہریوں کو رائے دینے کا حق ملا ہوا ہے۔ اس لئے حق رائے
دہندگی کا مطلب اس حق سے ہے جو ہمیں اپنے نمایندوں کے انتخاب

کرنے کے لئے حاصل ہے۔

رائے دہندہ یا ووٹر کون ہے؟ (Who is a voter?)

ایک فرانسیسی عالم روسو کا خیال ہے کہ حق ووٹ تمام شہریوں کو یکساں طور پر حاصل ہونا چاہئے۔ ہمارے خیال سے روسو کا خیال خواہ سیاسی نقطۂ نظر سے درست ہو لیکن معاشرتی نقطۂ نظر سے مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ وجہ یہ ہے کہ ہر ایک ملک میں بہت سے آدمی ناخواندہ اور غریب ہوتے ہیں جو اپنی رائے کا مناسب استعمال نہیں کرسکتے۔ حق ووٹ ایک مقدس حق ہے اور وہی شخص اس کا مناسب استعمال کرسکتا ہے جو اس کی اہمیت کو بخوبی سمجھتا ہے۔ اسٹوارٹ مل اور دیگر علماء کا خیال ہے کہ عالمگیر حق ووٹ Universal Franchise بالکل غلط ہے۔ ہندوستان میں حق ووٹ کی اہمیت ابھی بہت تھوڑے لوگ سمجھ سکے ہیں۔ ناخواندہ اور غریب ہونے کی وجہ سے حق رائے دہندگی یہاں چند سکوں میں فروخت کردیا جاتا ہے۔ کچھ لوگ خوف یا رعب کی وجہ سے اپنا ووٹ اُن اشخاص کو دیتے ہیں جو اُس کے ہرگز اہل نہیں ہے۔ ایسی صورت میں سب کو یکساں حق ووٹ حاصل ہو جانے سے ملک کو نقصان پہنچے گا۔

ہندوستان میں حق ووٹ

ہمارے ملک میں حق ووٹ صرف ۱۲½ فیصدی لوگوں کو حاصل ہے۔ ہر ایک صوبہ میں حق ووٹ کے شرائط مختلف ہیں۔ ہر ایک ووٹر کیلئے مندرجہ ذیل شرائط ضروری ہیں۔

(۱) برٹش رعایا ہو۔ فیڈرل حکومت میں شامل ہونے والی ریاستوں کے باشندے بھی ووٹ دے سکتے ہیں۔

(۲) پاگل نہ ہو۔ دیوانہ نہ ہو۔
(۳) کالے پانی یا جیل کی سزا پایا ہوا آدمی ووٹ نہیں دے سکتا۔
(۴) عمر اکیس سال سے کم نہ ہو۔
(۵) حلقہ انتخاب کا باشندہ ہو۔
(۶) ۱۹۳۵ء سے عورتوں کو بھی ووٹ دینے کا حق مل گیا ہے۔

دوسرے ممالک میں حق ووٹ کے لئے قوانین تعلیم اور مالی حیثیت کے لحاظ سے بنائے گئے ہیں لیکن ہندوستان میں فرقہ، پیشہ، سوسائٹی کا امتیاز، مالی حیثیت، تعلیم، ملازمت، خطاب اور عہدہ وغیرہ کی بنا پر ووٹ دینے کا حق حاصل ہوتا ہے۔

جمہوریت اور آزادانہ رائے دہندگی (Democracy &

جمہوری حکومت میں آزادانہ رائے دہندگی Independent voting) کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ کوئی شخص کسی پر رائے دینے کے لئے زور نہیں دے سکتا۔ ہر شخص کو ووٹ دینے کی آزادی ہے، ووٹ دینا یا نہ دینا اس کی مرضی پر ہے۔ اس کے علاوہ وہ جس شخص کو چاہے ووٹ دے سکتا ہے۔ ہر شخص کو ووٹ دینے کے مساوی حقوق نہیں ہونے چاہئیں یعنی اگر حق ووٹ کے لئے تعلیم اور مالی حیثیت کی شرط لگائی جائے تو معمولی آدمی کو ایک ووٹ، تعلیم یافتہ شخص کو دو ووٹ اور تعلیم یافتہ دولتمند کو تین ووٹ دینے کا حق ہونا چاہئے۔

عورتیں اور حق ووٹ عورتوں کو ووٹ دینے کا حق سب سے پہلے آسٹریلیا میں ملا اور اس کے بعد دوسرے ممالک

میں اس کا رواج ہوا۔ جو لوگ عورتوں کو حق ووٹ حاصل ہونے کے حامی ہیں
اُن کا خیال ہے کہ عورتوں کو حق ووٹ مردوں کے برابر ملنا چاہیئے اس لئے
کہ سیاسی اعتبار سے عورتوں کا درجہ مردوں سے کم نہیں ہے۔ جو عورتیں تعلیم
یافتہ، کسی جائداد کی مالک اور سیاسی معاملات میں دلچسپی رکھنے والی ہیں تو
کوئی وجہ نہیں کہ انھیں مردوں کے برابر ووٹ دینے کا حق نہ دیا جائے جب
ایک غیر تعلیم یافتہ اور ناخواندہ مرد ووٹ دینے کا حق رکھتا ہے تو کیا ایک
پڑھی لکھی عورت اس مرد سے بھی کم ہے۔ شریمتی وجے لکشمی پنڈت نے سیاست
میں جس قابلیت کا ثبوت دیا ہے اُسے ہر شخص جانتا ہے۔ ہندوستان کو
وجے لکشمی پنڈت پر فخر ہے۔ اسی طرح اگر عورتوں کو سیاست میں برابر حقوق
دیئے گئے تو آئندہ بھی وجے لکشمی جیسی قابل عورتیں اپنی خدمات اور قربانیوں
سے ہندوستان کو بیش بہا فائدہ پہونچائیں گی۔

کچھ لوگ عورتوں کو حق ووٹ دینے کے مخالف ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ
اگر عورتوں کو سیاست میں حصہ لینے اور ووٹ دینے کا حق حاصل ہو گیا تو خانگی
زندگی تلخ ہو جائے گی۔ عورت گھر کی ملکہ ہے۔ اُس کا میدانِ عمل گھر کی چہار
دیواری کے اندر ہے۔ گھر کو جنت یا دوزخ بنانا اُسی کے اختیار میں ہے۔
اس کے علاوہ گھر کے جملہ انتظام کا انحصار بھی اُسی پر ہے۔ سیاست میں حصہ
لینے کی صورت میں خانگی فرائض بخوبی انجام نہ دیئے جاسکیں گے جس کی وجہ سے
بڑی بدانتظامی پیدا ہو جائے گی۔ اس کے علاوہ ایک عورت کے مفاد اُس
کے شوہر کے مفاد سے وابستہ ہیں۔ ہندوستان کی معیار پسند اور شوہر پرست
عورتیں بھی اپنے خاوند کی مرضی کے خلاف عمل کرنا پسند نہ کریں گی۔ اس لئے

ان کے سیاسی حقوق بیکار رہیں گے۔
مخالف اور موافق دونوں حضرات کے خیالات ایک حد تک درست ہیں
لیکن اس میں شک نہیں کہ عورتوں کے سیاست میں حصہ لینے سے ہندوستان
کو کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور پہنچے گا اس لئے انہیں سیاسی حقوق سے بالکل محروم
نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ مناسب تو یہ ہے کہ انھیں مردوں کے برابر رائے دہندگی
کا حق دیا جائے۔

ووٹ دینے Method of Voting

ووٹ دینے کا طریقہ کا طریقہ ہر ملک میں مختلف ہے۔ سب سے پہلے انتخابی
حلقے بنائے جاتے ہیں جو Constituencies کہلاتے ہیں۔ اکثر ایک حلقہ
سے ایک ہی ممبر چنا جاتا ہے لیکن بعض ممالک میں ایک حلقہ سے ایک سے زیادہ ممبران
کا چناؤ بھی ہوتا ہے۔ انتخابی حلقے ووٹروں کی تعداد کے لحاظ سے بنائے جاتے ہیں۔
موجودہ زمانہ میں پوشیدہ طور سے ووٹ دینے کا طریقہ ہے جسے (Secret
Vote or Vote by Ballot) کہتے ہیں۔ اس کے مطابق ہر ایک
رائے دہندہ ایک پرچہ پر نشان بنا کر پوشیدہ طور سے ایک بکس میں ڈال دیتا ہے
جسے بیلٹ کہتے ہیں۔ اس طریقہ سے پہلے ووٹ ایک پرچہ پر لکھ کر کھلے طور پر دیا جاتا
تھا۔ تمام امیدواروں کے حامی موالی اپنے امیدوار کو ووٹ دلوانے کے لئے
ووٹر پر زور ڈالتے تھے۔ اور ایسے مواقع پر فریقین میں لڑائی جھگڑا ہو جاتا تھا
لیکن اب ایسا بہت کم ہوتا ہے۔
انتخاب سے پہلے رائے دہندگان کی فہرستیں تیار ہو جاتی ہیں جن کو
Electoral Rolls کہتے ہیں۔ فہرستیں ان شرائط کے مطابق

تیار کی جاتی ہیں جو پہلے سے طے کی جا چکی ہیں۔ اس کے بعد یہ فہرستیں شائع کر دی جاتی ہیں ہر ایک اسمبلی یا کونسل کے انتخاب کی تاریخ مقرر کر دی جاتی ہے اور ہر ایک حلقہ میں کئی مرکز Centres Metalus قائم کر دیئے جاتے ہیں جتنے امیدوار ایک حلقہ انتخاب سے کھڑے ہوتے ہیں اُن سب کے نام ایک پرچہ پر لکھے ہوتے ہیں جسے Ballot Paper کہتے ہیں۔ پرچہ پر ہدایت ہوتی ہے کہ جس امیدوار کو ووٹ دینا چاہتے ہو اس کے سامنے ضرب کا نشان (×) بنا دو اور اپنے پرچے کو بیلٹ بکس میں ڈال دو۔ امیدواروں کے نمائندے بھی وہاں پر موجود ہوتے ہیں تاکہ اگر کوئی نامناسب کارروائی ہو تو اُسے وہاں کے افسر کے سامنے لایا جا سکے۔ اس کے علاوہ اُن کو اپنے ووٹر کی شناخت دینی پڑتی ہے۔ تمام انتخابی مرکزوں Centres سے بیلٹ بکس حلقہ انتخاب کے بڑے افسر کے پاس بھیج دیئے جاتے ہیں۔ وہاں پر ایک مقررہ تاریخ کو تمام پرچوں کو شمار کیا جاتا ہے اور ہر ایک امیدوار کو جتنے ووٹ ملے ہیں اس کی اطلاع گورنمنٹ کو دی جاتی ہے۔ جس امیدوار کو سب سے زیادہ ووٹ ملتے ہیں وہی ممبر چنا جاتا ہے۔ ہندوستان میں بھی یہی طریقہ رائج ہے میونسپلٹی یا سٹی کونسل کے انتخاب میں شہر کو اتنے ہی حلقوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے جتنے ممبران کا انتخاب کرنا ہوتا ہے۔ ہر ایک حلقہ کو وارڈ کہتے ہیں اور ہر ایک وارڈ سے صرف ایک ممبر چنا جاتا ہے۔

جمہوری حکومتوں میں تمام شہری خواہ وہ کسی فرقہ اور ذات کے کیوں نہ ہوں ممبران کا چناؤ مشترکہ طور پر کرتے ہیں اس کو مشترکہ چناؤ کہتے ہیں۔ تمام شہریوں کو ووٹروں کی فہرست مل جاتی ہے جسے (Joint electorate) کہتے ہیں۔

خلاصہ (Summary)

(۱) دستور الحکومت ہر ایک ملک کا سیاسی نظام ہوتا ہے جس میں ہر ایک صیغہ کے انتظام کے قواعد ہوتے ہیں اور شہریوں کے حقوق و فرائض کی توضیح ہوتی ہے۔

(۲) دستور الحکومت کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں جیسے لکھا ہوا۔ بغیر لکھا ہوا۔ بدلنے والا نہ بدلنے والا، قدرتی اور مصنوعی وغیرہ وغیرہ

(۳) دستور الحکومت ہر ایک ملک کے حالات و واقعات کے مطابق ہوتا ہے۔ کوئی ایسا دستور الحکومت نہیں قائم کیا جا سکتا جس کا تمام ممالک پر اطلاق کیا جا سکے سماج اور سماج کے مقاصد بدلنے کے ساتھ ساتھ دستور الحکومت بدل جاتا ہے۔

(۴) قانون سماج کے ان اصول و قواعد کو کہتے ہیں جو شہریوں کے باہمی حقوق و فرائض کی حفاظت کرتے اور یہ بھی واضح کرتے ہیں کہ شہریوں کے حکومت کے ساتھ کیا حقوق و فرائض ہیں اور اُن کی کس طرح حفاظت کی جا سکتی ہے۔

(۵) قانون اور آزادی میں اختلاف نہیں ہے بلکہ قانون کے ذریعہ ہی آزادی کی حفاظت ہو سکتی ہے۔

(۶) قانون کے اقسام۔ سیاسی قوانین، اخلاقی اور سوشل قوانین، اور رسمی قوانین۔

(۷) سیاسی قوانین مجلس قانون ساز کے ذریعے بنائے جاتے ہیں۔ اخلاقی قوانین سماج کے اخلاقی اصول کے تحت بنتے ہیں۔ سوشل یا معاشرتی قوانین (Social Laws) کچھ تو سماج کی اصلاح کی ضرورت کے مطابق اور کچھ حکومت کی طرف سے بنائے جاتے ہیں۔ رسمی قوانین کچھ رسم و رواج کے زیادہ عرصہ تک قائم رہنے کی وجہ سے بن جاتے ہیں۔

(۸) قانون کے ساتھ سزا کا ہونا بھی ضروری ہے۔ موجودہ زمانہ میں سزا کا مقصد مجرم کی اصلاح ہے نہ کہ انتقام۔

(۹) مجلس قانون ساز اور دیگر مجالس کے لئے ممبران کا انتخاب کرنے کی غرض سے شہریوں کو رائے دینے کا حق حاصل ہوتا ہے جسے حق ووٹ کہتے ہیں۔

(۱۰) معیاری حق ووٹ وہ ہے جو ہر ایک بالغ کو حاصل ہوتا ہے اسے (Adult Franchise) کہتے ہیں۔ موجودہ زمانہ میں عورتوں کو بھی حق ووٹ حاصل ہو گیا ہے۔

(۱۱) ہندوستان میں بہت تھوڑے شہریوں کو حق ووٹ حاصل ہے۔ تعلیم، ٹیکس، مالی حیثیت، جائداد، لگان یا مالگذاری وغیرہ کی شرائط کے مطابق یہاں ووٹروں کی تعداد بہت کم ہے۔

(۱۲) ووٹر کو اپنا ووٹ ایک سچے، بے تعصب، محب وطن اور قابل آدمی کو دینا چاہئے۔ ووٹ دینے میں پوری آزادی حاصل ہونی چاہئے۔

(۱۳) موجودہ زمانہ میں ووٹ پوشیدہ طریقے سے دیا جاتا ہے اسے (Vote by Ballot). کہتے ہیں۔ انتخاب کے لئے ملک کو بہت سے حلقوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے اور ہر ایک حلقے سے صرف ایک ہی ممبر چنا جاتا ہے۔

Questions

1. What do you mean by the constitution of a Country? what is its usefulness?

2. What are the different forms of Constitution?

3. What is Law! what is its relation with the government of a country?

4. What are the different forms of a Law.

5. Why is punishment associated with Law? What is the modern ideal of punishment?
6. What is franchise? why does a modern State allow its Citizens the right of Franchise How should they exercise that right?
7. What is the right of Franchise so limited in India?
8. What is meant by vote or Ballot? Describe the modern method of voting?
9. Give your opinion on the following statement.
(i) The constitution of a country should be rigid
(ii) There are so many of laws in our society that an average citizen has no liberty.
(iii) Custom has the force of Law.
10. Write short notes on:-
(i) Moral Laws, Customary Laws; Penal Laws, Civil Laws.
(ii) No state can function without the help of a ruler
(iii) Adult franchise; Freedom of vote.